اسلام کے عدالتی نظام میں استقلالِ قضاء کے احکام

* ڈاکٹر محمد ضیاء الحق

عدلیہ کی آزادی، ججوں کے امتیازات اور عدالتی طریقہ کار کے متعلق قانون جسے Procedural Law کہا جاتا ہے فقہ اسلامی میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ عدلیہ کی آزادی اور احترام کے بغیر قانونی نظام بے معنی ہو جاتا ہے اور مجرموں کو سزا اور مظلومین کے حقوق کا تحفظ ممکن نہیں ہوتا۔ قانون پر عمل عدالتی فیصلوں کی روشنی میں ہی ممکن ہے اور عدالتی فیصلے متعلقہ جرم یا معاملہ سے متعلق قانون کے علاوہ عدالتی نظم وضبط کے ضابطوں پر عمل کرنے کی صورت میں ہی مؤثر ہوتے ہیں۔ عدالتی نظم وضبط سے متعلقہ قواعد Procedural Codes نہ صرف عدالتوں میں دعاوی کی سماعت کے طریقہ کار کا تعین کرتے ہیں بلکہ وہ عدالتوں کے احترام اور ججوں کے وقار اور ان کی آزادی کے بھی ضامن ہوتے ہیں۔

عدالتوں کے طریقہ کار اور قانون کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے فقہ اسلامی میں جو ضابطے ہیں ان کا مطالعہ ''ادب القاضی'' کی اصطلاح کے تحت کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ خصائص حمیدہ اور اوصاف ہیں جن کا ایک قاضی کی ذات میں موجود ہونا ضروری ہے۔(۱)

ادب القاضی کے دائرہ کار میں نظام قضاء، عدلیہ کی آزادی، ججوں کے امتیازات ومراعات ان کے احترام ثبوت، گواہی، دعویٰ اور اس کے متعلقات، مقدمات اور ان کی سماعت، فیصلوں کے اسالیب اور نیم عدالتی ادارے (احتساب، مظالم، افتاء) وغیرہ کے معاملات شامل ہیں۔

فقہ اسلامی کی تدوین کے ساتھ ہی اس کی مختلف شاخوں کی ترتیب کا بڑا کام دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اس دور کے فقہاء نے اپنی تالیفات میں جن مباحث کو اختیار کیا اس نے بعد کے مؤلفین پر بھی اثر ڈالا اور ۱۳سو سال میں فقہ کی جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ سب اسی ترتیب کے زیر اثر تحریر میں لائی گئیں۔ دوسری صدی ہجری سے ہی

---

* چیئرمین/ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامک لاء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ادب القاضی پر مستقل بالذات کتابیں تحریر کی گئیں اور ان کتابوں کے ساتھ ساتھ ادب القاضی کے مختلف مباحث پر علیحدہ کتابیں بھی تحریر کی گئیں۔

امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲) امام ابو حنیفہؒ کے بہت بڑے شاگرد اور فقہ حنفی کے جید عالم تھے۔ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہونے والے آپ پہلے شخص تھے۔ آپ نے خلافت عباسیہ کی وسیع و عریض اسلامی حکومت میں ریاست کے نظام قضاء کو مرتب کیا۔ امام ابو یوسف نے ادب القاضی پر اپنے شاگرد بشر بن الولید کو ایک کتاب املاء کروائی لیکن یہ کتاب ہم تک نہ پہنچ سکی۔

امام ابو یوسفؒ کے بعد انہی کے ہم درس امام حسنؒ بن زیاد اللؤلوی (م۲۰۴ھ) نے ادب القاضی کے نام سے ایک کتاب لکھی تیسری صدی میں اس موضوع پر لکھنے کی عام تحریک ہوئی اور تقریباً ہر نامور فقہیہ نے اس پر کچھ نہ کچھ لکھا، قاضی ابو عبداللہ محمد بن سماعہؒ (م۲۳۳) بغداد کے مغربی حصہ کے قاضی تھے انہوں نے کتاب ادب القاضی اور کتاب **المحاضر والسجلات** (دعویٰ اور جواب دعویٰ) لکھیں۔ قاضی قتیبہ بن زیادہ الخراسانیؒ (م۲۳۶ھ) نے **کتاب الشروط** اور **کتاب المحاضر والسجلات والعهود** لکھیں۔ قاضی ابوجعفر احمد بن اسحاق الانباری (م۳۱۷ھ) نے کتاب ادب القاضی لکھی۔ لیکن یہ کتب ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

اس موضوع پر جو قدیم ترین کتاب ہمارے پاس ہے وہ تیسری صدی ہجری کے حنفی فقہیہ امام ابوبکر احمد بن عمرو الخصافؒ کی کتاب ادب القاضی ہے یہ کتاب بہت جامع ہے جو ایک سو بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ قاضی علی بن حبیب الماوردیؒ (م۴۵۹ھ) کی کتاب ''ادب القاضی'' بھی اس دور کی تالیف ہے۔

فقہ مالکی میں محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ (م۳۶۸ھ) نے ادب القضاء کے نام سے جداگانہ کتاب لکھی۔ محمد بن یحییٰ الاندلسیؒ نے کتاب الوثائق کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی۔

علامہ ابراہیم بن علی ابن فرحونؒ (م۷۹۹ھ) مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان کی کتاب **تبصرة الاحكام فی اصول الأقضية،** ادب القاضی پر لکھی جانے والی بہترین کتابوں میں سے ہے۔ فقہ حنبلی کے امام ابن تیمیہؒ (م۷۲۸) نے **الحسبة في الإسلام، الأحكام السلطانية** اور **السياسة الشرعية** جیسے موضوعات پر اہم کتابیں لکھیں جو ادب القاضی سے براہ راست متعلق ہیں۔ (۲)

اردو میں ادب القاضی پر فتاوی عالمگیری، اسلام کا قانون شہادت از مولانا سید محمد متین ہاشمی، اسلام کا نظام عدالت از ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون شہادت از ڈاکٹر عبدالمالک عرفانی، القضاء فی الاسلام از مولانا عبد السلام ندوی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی از ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب ادب القاضی اہم کتابیں ہیں۔

ادب القاضی کے وسیع ذخیرہ میں اسلامی پروسیجرل لا اپنی تمام تر خوبیوں اور جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔ اسلامی تراث کا یہ عظیم ذخیرہ اسلامی قانون کی گہرائی اور اس کی وسعت کے ساتھ آج کے دور میں بھی اس کے قابل عمل ہونے کی گواہی ہے۔ اس قانونی ذخیرہ میں عدلیہ کی آزادی اور قضاۃ کے امتیازات ان کی مراعات اور ضابطہ اخلاق سے متعلق ایسا قیمتی مواد ہے جس کا مطالعہ موجودہ حالات کے تناظر میں بہت مفید ہے۔

عدلیہ کی آزادی اور اس سے متعلقہ امور پاکستان میں موجودہ عدالتی بحران کی وجہ سے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکے ہیں اسی اہمیت کی بناء پر مقالہ ہذا میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عدلیہ کی آزادی اور استقلال قضاء سے متعلقہ ادب القاضی کے احکام یکجا صورت میں پیش کر دیئے جائیں۔

۱۔ قضاء (عدلیہ) کا تعارف اور قدر و منزلت

قضاء (عدلیہ) کا تعارف

اسلامی عدالتی نظام میں عدلیہ کے لیے قضاء کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے ادارہ قضاء کا وجود معاشرے کے نظم وضبط اور استحکام کے لیے ضروری ہے اس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عدل قائم ہوتا ہے ان کی عزتوں اور حقوق کا تحفظ ہوتا ہے، تہذیب وثقافت کی ترقی ہوتی ہے اور ظلم جو کہ متمدن معاشرے کا دشمن ہے اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ (۳)

لغت میں قضا سے مراد فیصلہ کرنا، واضح کرنا اور کسی معاملہ کو طے کرنا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے:

”قضی یقضی قضاء فهو قاضٍ اذا حکم وفصل“

”قضی“، فعل ماضی ہے۔ ”یقضی“، فعل مضارع ہے۔ قضاء اس کا مصدر ہے۔ ”قاضی“ سے مراد فیصلہ

کرنے والا ہے۔(یہ اس کا فاعل ہے) جبکہ وہ فیصلہ کرے یا کوئی معاملہ طے کردے۔(۴)

قاضی کو جو امور سونپے جاتے ہیں وہ ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔ قضاء کے لفظ سے کئی معنی مراد لیے جاتے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کسی چیز کو واجب کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿قُضی الأمر الَّذِی فِیْه تَستفتِیَانِ﴾(۵)

۲۔ کسی چیز کو مکمل کردینا یا کمال تک پہنچا دینا: جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فلمَّا قَضَی مُوْسیٰ الأَجلَ...... (۶) جب موسیٰؑ نے مدت پوری کرلی

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے۔﴿ایَّمَا الأَجَلَینِ قَضَیتَ﴾(۷)

۳۔ قضاء سے مراد کسی کام کو کسی کے سپرد کرنا بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اذ قَضَینَا إلَی مُوسیٰ الأَمرَ﴾(۸) جب ہم نے معاملہ موسیٰ کے سپرد کردیا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿وَقَضیٰ رَبُّکَ اَلَّا تَعبُدو إلاَّ اِیَّاهُ وَبِالوَالِدَینِ إحسَانًا﴾(۹) اور تمہارے رب نے تمہارے ذمے یہ لگایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو۔

۴۔ قضاء سے مراد خلق اور تقدیر بھی ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿قضا هُن سبعَ سَمٰوٰات﴾(۱۰) ''ان آسمانوں کو سات بنایا''

۵۔ قضاء سے مراد عمل بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿فَاقضِ مَا أنتَ قَاضٍ﴾(۱۱) ''اور کام کرو لگتا نہیں کہ تم ایسا کرو گے''۔

۶۔ قضا سے مراد ادا کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:''قضی الدائن دینه'' یعنی مقروض نے اپنا قرض ادا کردیا۔(۱۲)

شرعی اصطلاح میں قضا کی مختلف تعریفیں ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ قضاء جھگڑوں اور تنازعات کو نمٹانے کا نام ہے۔

۲۔ قضاء حکم شرعی کو نافذ کرنے کا نام ہے۔

۳۔ قضاء، دو جھگڑوں یا دو سے زیادہ کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام ہے۔

۴۔ ایک خاص اسلوب سے تنازعات اور جھگڑوں کو طے کر دینا قضاء ہے۔

۵۔ قضاء، وہ لازمی فیصلہ ہے جو ولایت عامہ کی طرف سے صادر کیا گیا ہو۔(۱۳)

قضاء کی یہ مختلف تعریفیں بظاہر ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہیں۔ان میں سے ہر تعریف قضاء (اسلامی عدالتی نظام) کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر رہی ہے۔ایک تعریف میں قضا کے کچھ عناصر کی وضاحت کی گئی ہے۔اور دوسری میں دوسرے عناصر کی،مثال کے طور پر پہلی تعریف میں جھگڑوں اور تنازعات کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسرے عناصر مخفی ہیں۔جھگڑوں اور تنازعات کے ساتھ دوسرے عناصر کا وجود ضروری ہے۔اور ان کے درمیان فیصلہ اسی حکم کے مطابق ہوگا جو کہ اسلامی قانون ہے اور اس عنصر کا ذکر واضح طور پر تیسری تعریف میں کیا گیا ہے۔اس لیے بظاہر ان تعریفوں میں نظر آنے والا اختلاف حقیقت میں قضاء کے مختلف عناصر کی وضاحت کرتا ہے اور یہ سب عناصر قضاء کی تعریف میں شامل ہیں۔(۱۴)

مختلف تعریفوں کی روشنی میں قضاء کی متفقہ تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ''قضاء اصطلاح میں مخصوص طریقہ سے اسلامی قانون کے مطابق تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ہے'' مخصوص طریقہ سے مراد یہ ہے کہ قاضی کے ہاں کیسے دعویٰ دائر کیا جائے؟ اور کون سے وہ قواعد ہیں جن کا مقدمے کی سماعت کے دوران قاضی پابند ہوتا ہے۔مدعی علیہ کس طرح اپنے دعویٰ کو ثابت کرتا ہے؟ ملزم کیسے اپنا دفاع کرسکتا ہے اور کن شواہد کی بناء پر قاضی فیصلے پر پہنچتا ہے؟ یہی وہ احکام ہیں جن کو اصطلاحاً قضاء کہا جاتا ہے۔

قضاء کی مشروعیت

قضاء فرض کفایہ ہے اور اس کی ضرورت واہمیت اور مشروعیت پر بہت سے دلائل ہیں۔جن کی بنیاد قرآن مجید، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت ہے۔(۱۵) ان میں سے اہم دلائل حسب ذیل ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعَ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(۱۶)

''اے داوٗد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کریں ورنہ یہ آپ کو سیدھی راہ سے بھٹکا دے گی''

اس طرح ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ﴾(۱۷)

''اوران کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اس نے نازل کیا''

عدل وانصاف کے قیام اور قضاء کو معاشرے میں لازم کرنا مسلمان کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُوْمِنِیْنَ إِذَا دَعُوْا إِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ أَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۱۸)

''یعنی ایک سچے مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب اس کو کسی معاملہ میں یہ کہا جائے کہ آؤ اس کا فیصلہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کے مطابق کرالو تو فوراً لبیک کہہ اٹھتا ہے اور خوش خوش اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔''(۱۹)

ان آیات کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں، جن سے قضاء کی ضرورت واہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ﴿فاحکم بینھم بالقسط﴾ (۲۰)

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ﴾(۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوا فِی أَنفُسِھِم حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَیُسَلِّمُوا تَسلِیمًا﴾(۲۲)

نہ صرف ان آیات میں بلکہ قضاء سے متعلق کئی اور آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے قضاء کے نظام کے قیام کی ہدایات دی ہیں۔ قرآن پاک کی طرح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قضاء کی ضرورت واہمیت کے متعلق دلائل ملتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بذات خود بھی کئی فیصلے کیے کیونکہ قضاء آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں بھی شامل تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مختلف علاقوں میں قضاء کے لیے بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن اور عتاب بن اُسید کو مکہ میں قضاء کی ذمہ داری آپ ﷺ کے حکم سے دی گئی۔ (۲۳)

حضرت عمرو بن العاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(اذا اجتهد الحاكم فاصاب، فله اَجران و اذا اجتهد فاخطا فله اجر) (۲۴)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن میں قضاء کے لیے روانہ فرمایا اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور روانگی سے قبل ان کا امتحان لیا۔ (۲۵)

قرآن وسنت کی طرح اجماع امت میں بھی قضاء کی ضرورت واہمیت کے بہت سے دلائل ہیں۔ خلفاء راشدین نے نہ صرف خود فیصلے کیے بلکہ مختلف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی قضاء کے مناصب پر متعین فرمایا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ میں قاضی کے منصب پر متعین کیا جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ میں قاضی مقرر فرمایا۔ (۲۶)

علماء اسلام کا اجماع ہے کہ نظام قضاء کا قیام اسلامی ریاست میں ضروری ہے کیوں کہ اسی کے ذریعے لوگوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے مظلوم کی مدد ہوتی ہے۔ اور ظالم کا ہاتھ روکا جاتا ہے۔ حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ نظام قضاء کو قائم کرے۔ (۲۷)

منصب قضاء (عدلیہ) کی حساسیت

خلافت راشدہ کے آغاز میں صرف خلفاء ہی قضاء کے امور سرانجام دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پہلی مرتبہ دوسروں کو یہ منصب سونپنے کی روایت کا آغاز کیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے، بصرہ میں حضرت شریحؒ کو حضرت عمر نے قاضی مقرر کیا اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ میں قضاء کا منصب سونپا گیا حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقرری کے احکام میں ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکام قضاء سے متعلق اپنی مشہور ہدایات بھی دیں۔ منصب قضاء فرائض

خلافت میں سے ہے۔ یہ ان مناصب حکومت میں سے ایک منصب ہے جو کہ خلافت شرعیہ کے ماتحت ہیں کیوں کہ یہ منصب جھگڑوں کو نمٹانے اور اور لوگوں کے تنازعات کو احکام شرعیہ کے مطابق طے کرنے کے لیے ہے۔(۲۸)

قاضی کا تقرر ریاست کے ضروری فرائض میں سے ایک ہے۔ یہ واجب امور میں سے ہیں۔ واجبات شرعیہ کا قیام اور خلافت وحکومت کے امور کی صحیح ادائیگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ قضاء، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ خلیفہ کے فرائض میں سے ہے۔ لیکن چونکہ دوسری مصروفیات کی بناء پر خلیفہ کے لیے براہ راست قاضی کے فرائض ادا کرنا ممکن نہیں اسی بنا پر قضاء کے لیے دوسرے افراد کا تقرر ہوتا ہے۔ یہ لوگ خلیفہ کے نائب کہلاتے ہیں۔(۲۹)

قضاء چونکہ مشروع ہے اور فرض کفایہ ہے۔ اس لیے اس کی بڑی فضیلت ہے۔ فقہاء کہتے ہیں "**ان للقضاء فضلاً عظیماً**" "قضاء کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے۔" فقہاء کی اس ضمن میں دلیل یہ ہے کہ قضاء "**امر بالمعروف ونھی عن المنکر**" کے قیام کا ادارہ ہے۔(۳۰)

اللہ تعالیٰ عزوجل اس قاضی کو پسند فرماتا ہے۔ جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۳۱)

"اور آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت میں قسط کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق اس کا حصہ مل جانا ہے۔ یعنی عدل کی وہ کامل شکل جس میں پوری باریک بینی سے حقوق کی ایسی تقسیم ہوتی ہے کہ ہر شخص کو پورا حصہ مل جاتا ہے(۳۲) اگرچہ قضاء کی بڑی فضیلت ہے، اللہ کے ہاں اس کا بڑا اجر ہے اور یہ فرائض میں سے ایک فرض ہے، لیکن یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ علماء نے غیر اہل لوگوں کو اس سے اجتناب کرنے کے لیے کہا ہے۔ جس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اجتہاد کے ذریعے حق تک نہیں پہنچ سکے گا یا وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے تو اسے قضاء سے اجتناب کرنا چاہیے۔ انتظامیہ کی طرف سے قاضی کے معاملات میں مداخلت سے بھی قاضی کے لیے حق تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا، انہی اسباب کے بناء پر حدیث رسول اللہ ﷺ میں غیر اہل لوگوں کے لیے قضاء میں تنبیہ وارد ہوئی ہے۔ جو شخص اس منصب کا اہل نہ ہو وہ قضاء کے لیے امیدوار نہ بنے اور نہ ہی اس کے لیے لالچ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا:

(من وَلّی القضاء فقد ذبح بغیر سکین) (۳۳)

"یعنی جس کسی کو لوگوں کے درمیان قضاء کی ذمہ داری سونپی گئی وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔"

اس حدیث میں اس خطرہ کی طرف واضح اشارہ ہے جو نا اہل قضاۃ کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی مسلمان قضاء کے منصب کو حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ نہ کرے۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر وہ شخص جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا، قضاء تو فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں میں سے کسی نہ کسی کو اسے ادا کرنا ہی ہے۔ اس لیے اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں کہ قضاء منع ہے بلکہ اس حدیث سے قضاء کے منصب میں احتیاط کی طرف اشارہ ہے اور اس میں موجود تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو منصب قضاء کے فرائض کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بعض علماء نے قضاء کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کیا تو وہ انکار اس لیے نہیں تھا کہ وہ اس کی مشروعیت کے قائل نہ تھے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک حساس منصب ہے اور شاید وہ انصاف نہ کر سکیں مثلاً کئی حکمران امام ابوحنیفہؒ کو قضاء سونپنا چاہتے تھے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ سبب یہ تھا کہ خلفاء امام ابوحنیفہؒ کو کو قاضی بنا کر سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کو منصب قضاء قبول کرنے سے انکار کی وجہ سے بہت سی اذیتیں دی گئیں، یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے لیکن آپ نے حکمرانوں کے سیاسی فوائد کی خاطر منصب قضاء کو قبول نہیں کیا۔ شاید انہیں یہ خطرہ تھا کہ وہ آزادانہ فیصلے نہ کر سکیں۔ (۳۴)

قضاء کی مشروعیت اور فرض کفایہ ہونے کی بناء پر کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس منصب کو خود طلب کرے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی انتظامی قواعد کی رو سے مناصب کا طلب کرنا منع ہے اس کی دلالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان ہے۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا جب کہ میرے ساتھ دو آدمی بھی تھے ان میں سے ایک نے ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ امرنا علی بعض ماولاک اللّٰہ تعالی، وقال الآحد مثل ذالک ، فقال النبی ﷺ": (انا واللّٰہ لانولی ھذا العمل احداً سالہ او احداً حرص علیہ)(۳۵)

''اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں کسی منصب پر فائز کریں اور دوسرے شخص نے بھی یہی بات کی اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم اس کام پر کسی ایسے شخص کا تعین نہیں کریں گے جو اس کو طلب کرے یا اس کا لالچ کرے''۔

منصب قضاء بھی اس حدیث کے ذیل میں ہی آتا ہے کیونکہ یہ حکومتی مناصب میں سے ایک اہم منصب ہے۔ آنحضور ﷺ کا ایک فرمان قضاء کے بارے میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(من طلب القضاء واستعان عليه وكل إليه، ومن لم يطلبه ولم يستعن عليه انزل اللّٰه ملكا يُسَدّده)(٣٦)

''جس نے قضاء کا منصب طلب کیا اور سفارش کی بنیاد پر اُسے یہ منصب دے دیا گیا تو اس منصب کی تمام ذمہ داری اسی کے سر ہے۔ اس کے مقابلے میں جس قاضی کو اہلیت کی بناء پر یہ منصب دے دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی تائید کے لیے فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے''۔

طلب قضاء کی ممانعت میں یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جو کوئی اس منصب کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرے گا وہ اس سے ذاتی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور جس کسی کو یہ منصب طلب کیے بغیر مل گیا تو وہ انصاف کرنے میں اپنی جدوجہد صرف کرتا ہے۔

فقہاء نے طلب قضاء کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا ہے:

- قضاء ان لوگوں کے لیے حرام ہے جو قضا کے امور سے لاعلم ہوں اور اس کی ادائیگی کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔
- جو لوگ قضاء کے منصب کے اہل تو ہوں لیکن کوئی دوسرا ان سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو ان کے لیے یہ مکروہ ہے۔
- وہ شخص جو منصب قضاء کا اہل ہو اور اس کے ذریعے اپنی تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ منصب مباح ہے۔

- قضاء ان لوگوں کے لیے مندوب ہے جن کو قضاء کے منصب پر فائز نہ کیا گیا ہو لیکن وہ جانتے ہوں کہ ان کی اس منصب پر تقرری مسلمانوں کے لیے نفع بخش ہے کیونکہ دوسروں کی نسبت وہ اس منصب کے زیادہ اہل ہیں۔
- ایسے باصلاحیت لوگ جو قضاء کے منصب کی اہمیت سے آگاہ ہوں، ان کے اندر اس کی ادائیگی کی صلاحیت ہو اور ان کو اس جلیل القدر منصب پر فائز کیا گیا ہو تو وہی لوگ اس فرض کفایہ کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے لیے اس کی ادائیگی واجب کی سی اہمیت رکھتی ہے۔(۳۷)

۲۔ استقلال قضاء (عدلیہ کی آزادی) کا تصور، ارتقاء اور اہمیت

اسلامی معاشرے میں نظام قضاء کی اہمیت اور قدر و منزلت کی بناء پر شریعت اسلامیہ نے قاضی کو ایسے وسائل عطا فرمائے ہیں جو اس کی آزادی اور وقار کو یقینی بناتے ہیں۔ ان وسائل کی وجہ سے ہی قاضی فیصلہ کرتے ہوئے قانون کے علاوہ کسی اور کو جواب دہ نہیں ہوتا۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: (**بم تقضی یا معاذ**) (اے معاذ! تم کیسے فیصلہ کرو گے) انہوں نے جواب دیا: (**بکتاب اللّٰہ**) (اللہ کی کتاب سے) اس پر آپ نے دریافت فرمایا: اور اگر آپ کو کتاب میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ نے جواب دیا: (**فبسنة رسوله**) (اس کے رسول ﷺ کی سنت کے ذریعے) اس پر رسول ﷺ نے دریافت فرمایا: (**فان لم تجد؟**) اگر آپ نے اس میں بھی نہ پایا تو؟ انہوں نے جواب دیا (**اجتهد رائی ولا آلو**) میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں اپنی پوری کوشش صرف کروں گا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(**الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لما یرضی رسول اللّٰہ**)(۳۸)
''اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو ایسی توفیق بخشی جس سے رسول ﷺ راضی ہو گئے''۔

یہ حدیث آزادی قضاء اور اس کے استقلال کے اعلیٰ معانی سے مزین ہے۔ اس میں وضاحت ہے کہ قاضی قانونی نص (جو کہ شریعت اسلامیہ میں قرآن وسنت ہے) کے علاوہ فیصلہ کرنے میں کسی اور کا مطیع اور تابعدار نہیں ہے۔

اس بناء پر شریعت اسلامیہ نے قاضی کو ایسے تمام اختیارات دیئے ہیں جو اس کی مطلق آزادی کے ضامن ہیں۔ تاکہ اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قاضی تمام قسم کی مداخلت سے پاک اور عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ کر سکے۔

استقلال قضاء (عدلیہ کی آزادی) کا مفہوم

یہ بات طے ہے کہ حقوق کا تحفظ قضاء سے ہوتا ہے اور انسانی آزادیاں اسی سے برقرار ہیں۔ قانونی نصوص بھی اسی کی وجہ سے نافذ العمل ہوتی ہیں۔ عدل کا حصول بھی اسی سے ممکن ہے۔ معاشرتی عدل کی عمارت اسی بنیاد پہ قائم ہے۔ قضاء کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ قضاۃ کا مناسب احترام ووقار ہو اور یہ احترام ووقار آزادی فیصلہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

قاضی کا یہ فرض ہے کہ وہ حکم شرعی کا فیصلہ قوت نافذہ کے ساتھ کرے اور یہ قوت استقلال قضاء کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ ابن رشد قضاء کے بارے میں کہتے ہیں:

"الاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الالتزام" (۳۹)

"حکم شرعی کی وہ معلومات جو اس کو نافذ کرنے کے ساتھ وابستہ ہوں"۔

پس اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ قاضی کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی مکمل آزادی ہو، تاکہ وہ شریعت کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے میں بھی مکمل طور پر آزاد ہو۔ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ علم تولیت قضاء کی لازمی شرط ہے۔ اس شرط کا تقاضا ہے کہ قاضی کی مکمل آزادی کا احترام کیا جائے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس پر کسی قسم کا دباؤ اور جبر نہ ہو کیونکہ اس کے کام کی نوعیت مکمل استقلال کا تقاضا کرتی ہے۔ استقلال عربی زبان میں ارتفاع اور بلندی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جب پرندہ اڑنے لگے تو اسے استقلّ الطائر کہتے ہیں۔ جب سورج بلند ہو جائے اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ استقلال کے لغوی معنی بلندی، برتری اور چھا جانے کے ہیں۔ (۴۰) بلندی اور برتری کے انہی معنوں کی بناء پر آزاد عدلیہ کے لیے عربی میں استقلال قضاء کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ استقلال قضاء کی اصطلاحی تعریف حسب ذیل ہے۔

"الا يخضع القضاة فى ممار ستهم لعملهم لسلطان أى جهة اخرى وان يكون عملهم خالصاً لإقرار الحق والعدل خاضعاً لما يمليه الشرع والضمير دون اى اعتبار آخر" (۴۱)

''عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قضاۃ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی دوسری اتھارٹی کے مطیع نہ ہوں اور یہ کہ ان کا کام حق کی ادائیگی اور عدل کی ان اصولوں کے مطابق فراہمی ہو جو ان کو قانون نے عطا کیے ہیں اور وہ اپنے ضمیر کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہوں''۔

استقلال قضاء کے اس اصول کی وضاحت یہ ہے کہ قاضی کے امور میں کسی بھی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہو اور اس کو قانون وانصاف کے برخلاف فیصلہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ قاضی کو خود بھی ایسے تصرفات سے بچنا چاہیے جو استقلال قضاء کے اصول کے منافی ہوں۔(۴۲)

جدید تصورات قانون میں عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے Judicial Immunity کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

"Immunity Prervents others from exercising powers over the person Immune. Legal Immmunity is thus exemption from the powers of an other in the same way as liberty is the exemption from the right of an other" (۴۳)

Immunity ایسے شخص کو جو اس کا حامل ہے دوسروں کو اس پر اختیار استعمال کرنے سے روکتی ہے۔ قانونی Immunity میں کسی دوسرے کے اختیار سے ایسے ہی استثناء ہوتا ہے جیسے آزادی میں دوسروں کے اختیار سے ہوتا ہے۔ Immunity کا لفظ absolution، aquittal، exception اور free from persecution کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ اس سے مراد تحفظ اور مراعات بھی لیا جاتا ہے۔ عدلیہ اور ججوں کو جس Immunity میں تحفظ دیا جاتا ہے اسے Judicial Immunity کہا جاتا ہے۔ لغوی معنی میں اس سے مراد:

"A Complete Protection from civil liability afferded to the Judiciary when discharging their Judicial functions" (۴۵)

سول ذمہ داریوں سے ججوں کا مکمل تحفظ جبکہ وہ اپنے عدالتی فرائض سرانجام دے رہے ہوں۔

Judicial Immunity کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

"Judges have been given Judicial Immunity for Judicial functions, means they would not be liable of any of their decision wheather it is given in favour or against criminals. But the judges have no Judicial Immunity for their criminal acts aiding or assisting other who perform criminal acts. When a Judge has a duty to act, he does not have discretion. He is then not performing a Judicial act, he is performing a ministerial act. But Judicial Immunity does not exit for Judges who engage in criminal activities". (۴۵)

ججوں کو قانونی تحفظ اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ آزادی سے کام کرسکیں، یہ تحفظ عدلیہ کی غیر جانبداری کے لیے ضروری ہے کہ جج عدالت کے سامنے آنے والے حقائق کا قانون کے مطابق بغیر کسی دباؤ، دھمکی اور براہ راست یا بالواسطہ مداخلت کے فیصلے کرسکیں۔ چاہے یہ دباؤ کسی بھی طرف سے کیوں نہ ہو اور اس کا کوئی وقت کیوں نہ ہو۔

مغربی تصورات قانون کے مطابق Judicial Immunity جج کو ہتک کے دعوؤں سے تحفظ فراہم کرتی ہے جج کے کسی فیصلے کی بناء پر نہ تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی جج کے فیصلوں پر کسی دباؤ، ترغیب اور لالچ کے ذریعے اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔

استقلال قضاء کا تاریخی ارتقاء

رومن لاء میں ججوں کے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق حاصل تھا۔ یہ اپیل عموماً اسی اتھارٹی کے پاس کی جاتی تھی جس کو جج کے تقرر کا اختیار حاصل تھا۔ جج کے غلط فیصلوں کی صورت میں Justanian Code کے مطابق جج کو

کوئی خاص تحفظ نہ تھا۔ ججوں کے خلاف دعوے دائر کیے جاسکتے تھے۔ اور ان کی بعض غلطیوں پر ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاسکتی تھی۔ جدید Judicial Immunity کا رومن لاء اور Celtic لاء میں کوئی خاص تصور نہ تھا دسویں صدی عیسوی میں شاہی حکم ناموں میں غلط فیصلوں پر ججوں کی ذمہ داری موجود ہوتی تھی۔ تیرہویں صدی میں England میں بادشاہ کے انصاف King's justice کو ماتحت عدلیہ کی اصلاح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا King's Court کو تمام قسم کے ریکارڈ کی عدالت سمجھا جاتا تھا اور وہ ماتحت جج جو king's Court میں ریکارڈ فراہم کرتے تھے ان کو ریکارڈ کی غلطیوں سے بری الذمہ قرار دیا گیا اور یہیں سے ججوں کی Immunity کے تصور کا آغاز ہوا۔ سترھویں صدی میں Courts of record کے ججوں کی Immunity کو مربوط انداز میں مدون کیا گیا۔ عمومی طور پر اس صدی کے آخر میں یہ Immunity مزید مضبوط اور سول قانون کا حصہ بن گئی۔(۴۶)

اسلامی قانون میں استقلال قضاء کا آغاز عملی طور پر صدر اسلام سے ہو گیا تھا۔ قرآن وسنت میں عدلیہ کی اہمیت اور عدل کی فراہمی کے پیغمبرانہ فرائض کی اہمیت کی بناء پر خلفاء راشدین نے نہ صرف عدلیہ کو مضبوط کیا بلکہ اسے مکمل آزادی بھی دی۔ خلفاء راشدین عدالتوں میں خود پیش ہوتے تھے اور ججوں نے ان کے خلاف فیصلے بھی کیے۔ عدالتوں اور قاضیوں سے متعلقہ خلفاء راشدین کے رویے کو بعد میں فقہ اسلامی کے دور تدوین میں قانونی نظائر کا درجہ حاصل ہو گیا اور قرآن وسنت کے احکام اور خلفاء راشدین کے تعامل کی بناء پر فقہاء نے دور تدوین میں مدون کیے گئے ادب القاضی میں استقلال قضاء سے متعلق احکام کو مدون کر دیا۔

اسلامی ریاست میں قضاء کا مربوط نظام باقاعدہ طور پر عمر بن الخطابؓ نے قائم کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں ہی عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کا فیصلہ فرما دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں خود خلیفہ وقت اور انتظامی افسران عدلیہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابتدا میں اس نظام کو جاری رکھا لیکن جب عدلیہ اور انتظامیہ کی حدود کا تعین ہو گیا تو انہوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے مکمل طور پر الگ کر دیا۔(۴۷)

عدلیہ کی آزادی اسی وقت ممکن ہے جب انتظامیہ عدلیہ کے ماتحت ہو۔ حضرت عمرؓ نے نہ صرف عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا بلکہ متعدد مواقع پر قضاۃ کے حضور پیش ہو کر عدلیہ کی برتری کو عملی طور پر تسلیم بھی کروایا۔ ایک دفعہ

حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ میں کوئی تنازعہ پیدا ہوا۔ ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت عمرؓ مدعی علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید بن ثابتؓ نے آپؓ کو تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی بن کعبؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوی سے انکار تھا۔ ابی بن کعب نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینا چاہی لیکن زیدؓ نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی بن کعبؓ سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے زیدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا جب تک تمہارے نزدیک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔(۴۸)

حضرت عمرؓ کی طرح بعد کے خلفاء بھی اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر نہ سمجھتے تھے اور کئی موقعوں پر خلفاء قضاۃ کے ہاں عام لوگوں کی طرح پیش ہوئے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان قاضی جبر بن نعیم کے پاس اپنے چچا کے بیٹے سے جھگڑے کے سلسلہ میں پیش ہوا اور قاضی کے ہمراہ اس کی نشست پر بیٹھ گیا۔ قاضی نے اموی امیر کو اپنی نشست سے اٹھا دیا اور کہا: قم مع ابن عمک. اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اگر چہ امیر کو اس بات پر غصہ آیا لیکن قاضی نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی اور قاضی کی اس جرأت کے بعد یہ رسم بن گئی کہ قضاۃ کے حضور متخاصمین پیشی کے موقع پر برابر سمجھے جاتے تھے اور ان کے درمیان رتبوں کی بنا پر کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔(۴۹)

اُم المہدی اور ابو جعفر المنصور کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا ام المہدی نے کہا کہ میں اس جھگڑے میں غوث بن سلیمان جو کہ مصر میں المہدی کی طرف سے قاضی تھے کے سوا کسی اور کی قضاء پر راضی نہ ہوں گی۔ چنانچہ قاضی غوث بن سلیمان کو بغداد آنے کی درخواست کی گئی۔ مہدی کی ماں نے اپنی طرف سے ایک وکیل نامزد کیا۔ قاضی نے خلیفہ منصور کو مجلس قضاء میں ام مہدی کے وکیل کے برابر کھڑے ہونے کے لیے کہا چنانچہ خلیفہ اپنی نشست سے اٹھا اور اپنے مدعی کے برابر قاضی کے ہاں پیش ہوا۔ قاضی نے خلیفہ کے خلاف اور ام المہدی کے حق میں فیصلہ دیا۔(۵۰)

اس طرح معتبر مصادر میں ہے کہ ایک شخص نے مامون کے خلاف قاضی یحیٰی ابن اکثم کے ہاں دعوی دائر کیا۔ قاضی نے خلیفہ کو عدالت میں طلب کیا۔ خلیفہ عدالت میں آیا تو اس کے ساتھ اس کا غلام خلیفہ کے بیٹھنے کے لیے مصلی لے کر آیا۔ قاضی نے خلیفہ کو عدالت میں بیٹھنے کے لیے کہا اور غلام نے خلیفہ کے لیے مصلی بچھا دیا۔ اس پر قاضی نے خلیفہ سے کہا:

(يا أمير المؤمنين لا تأخذ على خصمك شرف المجلس)

''اے امیر المؤمنین آپ دوسرے فریق پر بہتر نشست مت لیں) اس پر دوسرے فریق کے لیے بھی خلیفہ کی طرح کا مصلی طلب کیا گیا۔'' (۵۱)

استقلال قضاء کی ضرورت واہمیت

عدل وانصاف کی فراہمی عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے اور قاضی اپنے اس عظیم کام کے ذریعے معاشرے کو امن فراہم کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاشرے کا ہر فرد مسلم اور غیر مسلم دارالاسلام میں اپنی جان، مال اور عزت وآبرو کے متعلق مطمئن ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے حقوق کی ادائیگی ہوتی ہے۔

قضا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل کے ذمے تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنے کا کام بھی سونپا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَد اَرسَلنَا رُسلنَا بِالبِيّنَاتِ وَأنزَلنَا مَعَهُم الكِتَابَ والمِيزَانَ لِيَقومَ النَّاسُ بالقِسط﴾ (۵۲)

''ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں''۔

قرآن وسنت کے احکامات کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قضاء کی اہمیت اور معاشرے کے لیے اس کی عظیم ضرورت کا ادراک کیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو اس کے ساتھ ہی عدالتی طریقہ کار سے متعلق ہدایات بھی جاری فرمائیں۔ یہ ہدایات حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ گورنر کوفہ کے نام خط میں تھیں۔ ان ہدایات کا پہلا حصہ عدل وانصاف کی اہمیت اور عدلیہ کی آزادی سے متعلق ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

فإن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة سوّبين النَّاس فى وجهكَ ومجلسك وعدلك حتى لايا يس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف فى حيفك. (۵۳)

''قضاء ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور با اثر کو تمہاری رورعایت کی امید پیدا نہ ہو''۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''دو آدمیوں کے درمیان بطور قاضی فیصلہ کرنا مجھے ستر سال کی عبادت سے زیادہ مرغوب ہے''

سیاست الملوک میں عدل کی بڑی اہمیت ہے موسیٰ بن یوسف نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

ان العدل سراج الدولة فلا تطفىء سراج العدل بريح الظلم ، فإن ريح الظلم إذا عصفت قصفت، ريح العدل اذا هبت ربت ومن شروط الإمارة العدل في الأحكام. (۵۵)

عدل کسی بھی ریاست کا روشن چراغ ہے۔ عدل کے چراغ کو ظلم کی آندھی سے نہ بجھاؤ۔ ظلم کی آندھی سب کچھ تباہ کر دیتی ہے جبکہ عدل کی ہوا ثمر آور ہوتی ہے۔ احکام میں عدل حکومت کی بنیادی صفات میں سے ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حمص کے عامل نے لکھا:

ان مدينة حمص قد تهدمت واحتاجت إلى اصلاح ، فكتب إليه عمر بن عبد العزيز حصنها بالعدل ونق طرقها من الظلم والسلام. (۵۶)

مدینۂ حمص شکست و ریخت کا شکار ہے اور مرمت درکار ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا اس کو عدل سے مضبوط کر واور اس کی شاہراہوں کو ظلم سے پاک کرو۔ والسلام:

عدل کی یہی اہمیت اس کی آزادی اور استقلال کی دلیل ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں خلفاء نے اس اصول کی آبیاری کی اور اس پر عمل کیا اور قضاء کے معاملات میں مکمل آزادی واستقلال کو شعار بنایا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت علیؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی شخص کے معاملہ میں فیصلہ کرنے کے لیے کہا جب آپ کی اس شخص سے ملاقات ہوئی تو فیصلے کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے بتایا کہ علی اور زید نے اس طرح فیصلہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اگر میں یہ فیصلہ کرتا تو اس طرح کرتا'' اس پر اس

شخص نے دریافت کیا کہ ''پھر آپ نے فیصلہ کیوں نہیں کیا؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اگر مجھے اس کی نص قرآن وسنت میں مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا۔ لیکن میں نے اجتہاد اور رائے کو اس فیصلے کے لیے ضروری جانا اور علی اور زید نے جو فیصلہ کیا اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے'' (۵۷)

عدل کی وجہ سے مملکت کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ عدل قلبی طاقت کا شاہکار ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ جانوں کو امان ملتی ہے استحکام آتا ہے اور دشمن سے پناہ مل جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں استحکام کا سبب عدلیہ کی آزادی اور عدل ہی تھا۔ ایرانی سردار الہرمذان حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اس پر اس نے کہا: ''عدلت مأمنت فنمت'' تم نے عدل کیا، امان پائی اور سکون سے سوئے'' (۵۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں اہل سمرقند نے قتیبہ بن مسلم کے خلاف شکایت کی کہ وہ غدر کرتے ہوئے، بغیر خبر دار کیے، شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ خلیفہ نے عراق کے گورنر کو لکھا کہ وہ اس معاملہ کی تفتیش (Judicial Inquiry) کے لیے قاضی مقرر کریں۔ چنانچہ قاضی جمیع بن حاضر الباجی کو اس مقدمہ کی سماعت سونپی گئی۔ انہوں نے اہل سمرقند کے شکوے کو سنا اور اس کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ فتح کے موقع پر اسلامی قوانین کی پابندی نہیں کی گئی اس لیے مسلمانوں کا لشکر شہر سے نکل جائے۔ (۵۹)

خلیفہ وقت نے فتوحات کے شوق میں عدل وانصاف کا گلہ نہیں گھونٹا اور قائد لشکر نے جو کہ کئی علاقوں کا بادشاہ تھا یہ فیصلہ قبول کر لیا اور یہ دلیل نہ دی کہ ''الحرب خدعۃ'' ''یعنی جنگ تدبیر کا نام ہے''

عدلیہ کی آزادی کا تصور اسلامی معاشرے میں اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ معاشرہ کے اہل حل وعقد اور حکومت کے ذمہ دار افراد اس آزادی کو یقینی بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ العتبی روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم المہدی نے ان کو ہدایت کی:

''اگر مجلس قضا میں آپ کا کسی سے تنازعہ ہو جائے تو ہرگز یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ نے اس پر آواز بلند کی یا اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا، بلکہ ضروری یہ ہے کہ آپ کا ارادہ ٹھیک ہو اور راستہ مقرر شدہ ہو۔ کوشش کرو کہ مجالس قضاء میں لوگوں کو ان کے حقوق ملیں'' (۶۰)

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استقلال یعنی آزادی، اسلامی عدلیہ کی ایسی بنیادی صفت ہے جس کے نہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آزادی کے بغیر عدلیہ صرف حکومتی ماتحت محکموں میں سے ایک محکمہ بن جاتا ہے جس کو حکم دیا جاتا ہے اور وہ اس حکم کو نافذ کر دیتا ہے۔ اس طرح نہ عدل وانصاف کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے اور نہ ہی لوگوں کو حقوق فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ (۶۱)

مسلمانوں کے دورِ عروج میں آزاد عدلیہ نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا۔ بلکہ عدلیہ کی آزادی دورِ عروج کا طرہ امتیاز ہوتا تھا۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں عدلیہ کو انتظامیہ پر واضح برتری حاصل تھی اور قضاۃ کے فیصلوں کی بنیاد پر کئی وزراء جیل میں گئے۔ اس دور کی اسلامی تہذیب وتمدن کی ترقی اس عدل وانصاف کی بدولت ہی تھی جو آزاد عدلیہ نے فراہم کیا اس دور میں جبکہ دنیا کی دوسری تہذیبوں میں بادشاہ یا حاکم وقت تمام قسم کے احتساب سے بالاتر تھا مسلمان خلفاء معمولی معاملات میں بھی عام رعایا کی طرح قضاۃ کے ہاں پیش ہوتے تھے اور قضاۃ عدل انصاف کے مطابق ان کے خلاف بغیر کسی خوف کے فیصلے کرتے تھے۔ (۶۲)

استقلال قضاء کی شرعی حیثیت

شرعی حکم کو نافذ کرنے کے لیے قضاء ضروری ہے، کسی فرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ امور قضاء میں مداخلت کرے اور عدلیہ کو مجبور کرے کہ وہ قانون (النصوص الشرعیه اور اجتهاد) کی بجائے کسی اور بنیاد پر فیصلہ کرے۔ کیونکہ اسلام کا حکم ہے کہ:

﴿وَاِذَا حَكَمتُم بينَ النَّاسِ اَن تَحكُمُوا بِالعَدلِ﴾ (۶۳)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''

عدل کی فراہمی عدلیہ کی ذمہ داری ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ عدلیہ کو کسی دباؤ، لالچ یا حرص کی بناء پر عدل کرنے سے روکے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ عدلیہ کے امور میں مداخلت کر رہا ہوگا جو کہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے قضاء دینی امور میں سے ہے اور اس سلسلے میں قاضی کا احتساب ہوگا۔ پس اگر اس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر اس نے خلاف حق اور خلاف الشرع الاسلامی فیصلہ کیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اسی بناء پر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کام میں کسی قسم کی مداخلت قبول نہ کرے۔

کیونکہ اگر اس نے مداخلت کی وجہ سے مجبور ہو کر فیصلہ کیا تو وہ جنت سے محروم ہو جائے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

(القضاة ثلاثة واحد فی الجنة واثنان فی النار فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی به ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار ورجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار) (٦٤)

''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے ایک جنتی ہوگا جبکہ دو جہنم میں داخل ہوں گے۔ وہ شخص جس نے حق کو جان لیا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ شخص جس نے حق کو جان لیا لیکن اس سے تجاوز کیا اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو وہ جہنم میں جائے گا اور وہ شخص جس نے حقیقت کو جانے بغیر لوگوں کے لیے فیصلہ کیا تو وہ بھی جہنم میں جائے گا۔''

چونکہ قاضی کو اپنے فیصلوں کے بارے میں حساب دینا ہے اس لیے یہ اس کا حق ہے کہ اپنے معاملات میں مداخلت قبول کرنے سے انکار کر دے تا کہ وہ اللہ کے غضب کا مستحق نہ ٹھہرے۔ اگر چہ آزادی قضاء قاضی کا ایسا حق ہے جو اس کو شریعت نے عطا کیا ہے لیکن اپنے اصول کی بناء پر یہ قاضی کے شرعی واجبات میں سے بھی ہے۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو کسی بھی حالت میں آزادی عدلیہ سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے اس کا ذاتی معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں شرعی احکامات کی پابندی کرے اور یہ فیصلے قانون (نصوص الشریعہ) یا اپنے اجتہاد کے مطابق کرے اور اس ضمن میں کسی اور سبب کو دخل اندازی کی اجازت نہ دے۔ (٦٥) اس ضمن میں فقہاء کے درمیان اجماع ہے کہ سلطۃ القضاء کسی اور انتظامی اتھارٹی کے ماتحت نہیں ہے۔

وهذا الإجماع الذی ینعقد من جماعة العلماء الذین لا یخضعون لسلطة آخری هو المحکمة الإسلامیة العلیا وهؤلاء العلماء الذین یبدون رأیهم فی میدان الأحکام القضایة الهامة هم المظهر الذی یبدون رأیهم فی میدان الأحکام القضایة الهامة هم المظهر الذی أثبتت فیه الدیموقراطیة الإسلامیة وجودها، لأن الحکم الأعلی هنا یصدر عن جماعة المسلمین. (٦٦)

ججوں کی تقرری میں استقلال قضاء کا تحفظ

کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ محض اپنی رغبت سے اپنے آپ کو قاضی کے عہدے پر متعین کرے۔ قاضی چونکہ خلافت اسلامیہ کی اہم ولایات میں سے قضاء کی ولایت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ قضاء کے امور میں خلیفہ (یا سرابراہ مملکت) کا نائب اور نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکومتی مناصب میں سے اہم ترین منصب پر فائز ہوتا ہے لیکن یہ منصب دوسرے مناصب کے ماتحت نہیں ہوتا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس کا تقرر حکومت کی طرف سے ہو۔ حکومت کی طرف سے تعین کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اسے خود خلیفہ متعین کرے، یا پھر وہ شخص، جس کو خلیفہ نے یہ اختیار سونپ رکھا ہو۔ اس ضمن کی مزید تفاصیل ذیل کی مباحث میں بیان کی جارہی ہیں۔

خلیفہ یا سرابراہ مملکت کی طرف سے قاضی کا تقرر

اصل یہ ہے کہ خلیفہ یا سلطان یعنی سربراہ مملکت، قاضیوں کا تقرر کرے، کیونکہ قضا اس کے فرائض میں سے ہے۔ دوسرے امور میں مصروفیات کی بناء پر وہ براہ راست اس کو سرانجام نہیں دے سکتا اس لیے وہ قضاۃ کو بطور اپنے نائب کے قضاء کے لیے متعین کرتا ہے۔ پس اگر قاضی کا تقرر خلیفہ کی طرف سے کیا گیا ہو تو اسے جائز نہیں ہے کہ وہ اس منصب کو خالی چھوڑ دے، کیونکہ قضاء کے لیے قاضی کا تقرر خلیفہ کے فرائض میں سے ہے۔ (٦٧)

کیا قاضی کے تقرر کے لیے خلیفہ یا سلطان کا عادل ہونا ضروری ہے؟ اس ضمن میں فقہاء کا کہنا ہے کہ عدل السلطان قاضی کے تقرر کے لیے ضروری شرط نہیں ہے۔ اس ضمن میں فقہاء کا استدلال ان تابعین کا عمل ہے، جن کو حجاج بن یوسف نے قاضی مقرر کیا تھا، حجاج عراق میں خلیفہ وقت کا نائب تھا اور اپنے ظلم وستم کی وجہ سے مشہور تھا۔ لیکن فقہاء یہ شرط ضرور لگاتے ہیں کہ اگر جابر سلطان کی طرف سے بھی قاضی کا تقرر کیا گیا ہو تو بھی وہ عدل وانصاف کے ساتھ کام کرے۔ اگر ظالم سلطان عدلیہ کی آزادی میں مداخلت کرے اور اسے اپنی پسند کے فیصلے کرنے پر مجبور کرے تو ایسی صورت میں اس کی طرف سے قضاء کے لیے تقرری درست نہیں کیونکہ اس طرح قضاء کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ (٦٨)

خلیفہ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ کسی معتمد کو قاضی کے تقرر کا اختیار سونپ دے۔ لیکن جس شخص کو خلیفہ نے

یہ اختیار دیا ہوگا، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو قاضی مقرر کرے۔ اسی طرح اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مثلاً والد، بیٹے وغیرہ کو اس عہدے پر فائز کردے۔ فقہاء نے یہ پابندی قیاس کی دلیل سے لگائی ہے جس طرح صدقہ کی وکالت میں وکیل کو جائز نہیں کہ وہ مال خود لے لے یا اپنے رشتہ داروں کو دے۔ اسی طرح خلیفہ کے نائب کے لیے خود قاضی بننا یا اپنے قریبی رشتہ داروں کو قاضی بنانا بھی جائز نہیں۔ (۶۹)

اگر کوئی علاقائی حاکم بغاوت کردے یا کوئی شخص خروج کردے یا کسی علاقہ پر قبضہ کرے اور اپنے حاکم ہونے کا اعلان کرے تو کیا اس کی طرف سے قاضی کا تقرر کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ جبکہ وہ اپنے آپ کو خلیفہ سے الگ کر چکا ہو۔ فقہاء نے ایسے حاکم کی بغاوت اور غلبہ کے باوجود اس کی طرف سے قاضی کے تقرر کو درست قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس حاکم کے حاکم ہونے کو امر واقع Defacto کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہی امر واقع اسے قاضی کے تقرر کا اختیار بھی دیتا ہے لیکن اس تعین کے اختیار کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے کا شرعی حق دیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ تو صرف اس حاکم کے زیر حکم رہنے والے مسلمانوں کے مصالح کے تحفظ کے لیے ہے تاکہ ان کے تنازعات طے ہوں۔ اگر اچھے لوگ ایسے موقعوں پر قضاء سے انکار کردیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ''حاکم فاسق لوگوں کو قضاء پر مسلط کردے ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہوگا۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے:

''ان لم يقض لهم خيار هم قضى لهم اشرار هم''

اگر ان کے لیے اچھے لوگوں نے قضاء کا منصب نہ سنبھالا تو ان کے اشرار سنبھال لیں گے۔

اس جگہ بھی قاضی کا تقرر عدل کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ باغی حاکم عدلیہ کی آزادی میں مداخلت کرے یا قاضی کو آزادانہ فیصلے کرنے سے روکے تو پھر اس کی طرف سے قضاء کے منصب پر تقرر درست نہ ہوگا۔ اس لیے فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی قاضی کے استقلال (یعنی آزادی) میں مداخلت ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے منصب سے مستعفی ہو جائے، کیونکہ مداخلت کی وجہ سے قضاء کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

اگر کفار مسلمانوں کے علاقے پر قبضہ کرلیں اور کسی کافر کو وہاں حکمران بنادیں تو کیا اس کی طرف سے مسلمانوں کے قاضی کی تقرری درست ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ فتاویٰ ہندیہ کے مطابق:

''قاضی کے مقرر کرنے والے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے'' (۷۰)

الدرالمختار میں ہے کہ عادل سلطان اور جابر سلطان کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہے، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔(۷۱) دوسرے فقہاء کا قول ہے کہ مسلمان ایسی صورت میں خود، اپنے میں سے اہل فرد کو قاضی بنائیں(۷۲) کیونکہ قضاء کا مقصد مصلحت کا حصول اور فساد کو دور کرنا ہے اور قضاء کے نہ ہونے سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔(۷۳)

صوبوں کے گورنروں کی طرف سے قاضی کا تقرر کرنا بھی درست ہے۔ ان کا شمار خلیفہ کے نائبین میں سے ہوتا ہے، اور وہ خلیفہ کے دیئے ہوئے اختیارات ہی استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کے لیے جائز ہے کہ وہ خلیفہ کی اجازت سے اپنے علاقہ میں قاضی کا تقرر کریں اسی طرح اگر کسی صوبے میں خلیفہ نے کسی کو قاضی مقرر کیا ہو تو وہ اس صوبے کے کسی علاقہ میں کسی دوسرے کو قاضی مقرر کرسکتا ہے۔(۷۴)

امام ابو یوسفؒ قاضی القضاء کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کو خلیفہ الہادی نے مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کو ہی قاضی القضاۃ کا لقب عطا کیا گیا تھا۔ ان کو قاضی قضاء الدنیا بھی کہا جاتا تھا کیونکہ ان کا حکم پورے علاقے پر لاگو ہوتا تھا۔(۷۵)

قاضی القضاۃ کو بھی اپنے دائرہ اختیار میں قاضی کے تقرر کا اختیار حاصل ہے۔ امام ابو یوسف کو جب اس منصب پر فائز کیا گیا تو انہوں نے اپنے زیر اثر حلقہ میں اپنی مرضی سے قضاۃ کا تقرر کیا۔

اگر کسی شہر میں حاکم وقت یا قاضی القضاۃ کی طرف سے قاضی کا تقرر ممکن نہ ہو تو اس شہر کے لوگوں میں سے اہل علم اور صاحب رائے لوگ اگر کسی شخص کو قاضی کے منصب پر فائز کردیں تو ایسا کرنا درست ہوگا۔(۷۶)

قضاۃ کی تقرری کے حوالے سے استقلال قضاء کے اسلامی تصور پر اعتراض

حقیقت یہ ہے کہ قاضی کا تقرر خلیفہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ خلیفہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ خود قضا کے امور سرانجام دے اور یہ تو حقیقت میں قضاء کی آزادی کو منہدم کرنے کے برابر ہے۔ خلیفہ کے ہاتھ میں عدالتی اور انتظامی اختیارات کا جمع ہونا لوگوں کے حقوق کے لیے خطرناک ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں۔ یہ وہ اعتراض ہے جو آزاد عدلیہ کے اسلامی تصور پر کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی حقیقت یہ ہے کہ:

i. خلیفہ یا حاکم وقت جب قضاء کے امور سرانجام دے گا، تو وہ بھی انہی قواعد کا پابند ہوگا جن کے دوسرے قضاۃ۔ جس طرح عام قاضی کے لیے عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح یہ پابندی خلیفہ پر بھی ہوگی۔

ii. بہت سے لوگ جن پر ظلم ہوتا ہے وہ صرف خلیفہ سے ہی توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کو عدل وانصاف فراہم کرے گا، کیونکہ خلیفہ اپنے اثر ونفوذ اور قوت کی وجہ سے بااثر افراد کو آسانی سے پکڑ سکتا ہے۔

iii. خلیفہ کو اگرچہ قاضی کی تقرری کا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار آزاد نہیں ہے۔ یعنی اسے یہ حق نہیں کہ اپنی خواہش کے مطابق جس کو چاہے قاضی بنا دے بلکہ اس کے لیے پابندی ہے کہ وہ صرف اس کو قاضی مقرر کرے جس میں مطلوبہ شرائط جو کہ فقہاء نے وضع کی ہیں، موجود ہوں۔ گویا کہ قاضی کی تقرری کے سلسلے میں خلیفہ کا اختیار مشروط ہے اور اس میں اس کی اپنی مرضی کو دخل نہیں ہے۔

iv. اگرچہ خلیفہ کو قضاء کے امور سرانجام دینے کا حق حاصل ہے، لیکن یہ اس کے لیے لازم نہیں ہے۔ آج کل کے دور میں مصلحۃ المرسلہ اور سد الذرائع کی بناء پر ممکن ہے کہ حاکم وقت سے کہا جائے کہ وہ قضاء کے امور سرانجام نہ دے تا کہ ان پر کوئی الزام نہ لگے۔ (۷۷)

ولی الأمر کی طرف سے قاضی کی آزادی میں مداخلت گناہ ہے اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ **"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"** خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ:

(السمع الطاعة حق يؤمر بالمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع و لا طاعة)(۷۸)

"حاکم وقت کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا مسلمان کے لیے پسندیدہ ہے اور جب وہ (اللہ کی) نافرمانی کا حکم دے تو پھر اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا درست نہیں ہے"۔

اگر ولی الأمر عدالتی آزادی میں مداخلت پر مصر ہو اور قاضی آزادی سے فیصلے نہ کر سکتا ہو تو قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے منصب سے علیحدہ ہو جائے۔

۳۔ اسلامی عدالتی نظام میں قضاۃ کے عدالتی حقوق ومراعات

ججوں کے حقوق وفرائض اور مراعات کے واضح تعین کے بغیر عدلیہ کی آزادی کا تحفظ نہیں کیا جاسکتا۔ قضاۃ اور ججوں کے حقوق ومراعات Judicial Immunities and Privilages دنیا کے ہر ترقی یافتہ نظام قضاء میں موجود ہیں فقہ اسلامی میں اس ضمن میں جو حقوق ہیں ان کی وضاحت حسب ذیل ہے:

استحقاق کے مطابق تقرری

فقہاء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قاضی کا تقرر خلیفہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تعین کے نظام کو انتخاب کے نظام پر اس لیے ترجیح دی گئی ہے کہ قاضی کو منتخب کرنے والے افراد کو دباؤ کا سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ ایسا نظام عدالتی امور کی خوش اسلوبی سے انجام دہی میں مداخلت کرتا ہے۔ امریکہ میں ججوں کی تقرری نامزدگی کے ذریعے نہیں بلکہ انتخاب کے ذریعے ہوتی ہے مشہور اسکالر Rene David نے امریکی نظام پر تنقید کی ہے اور اسے امریکی عوام کے عدلیہ پر اعتماد نہ ہونے کا سبب بتایا ہے۔ کیونکہ Judge کو منتخب کرنے کے لیے ووٹ دینے والے اپنے مفادات کو عدلیہ کی آزادی سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے قواعد کے مطابق قاضی کی تقرری کے وقت خلیفہ (مجاز اتھارٹی) اس بات کا بھی تعین کرتا ہے کہ وہ (قاضی) کس شہر میں کام کرے گا اور اس کے پاس کس نوعیت کے مقدمات سننے کا اختیار ہوگا یہ انتظام اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ ایک تو لوگوں کو قضاء کی اہمیت کا پتہ ہو اور دوسرا اس لیے کہ اس سے قاضی کو اپنی حدود کا پتہ چل جاتا ہے۔ قضاء کا منصب کوئی عادی انتظامی نوعیت کا منصب نہیں ہے اور نہ ہی عام انتظامی عہدیداروں کی طرح قاضی کی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"لایصلح للقضاء الا القوی علی امر الناس المستحف بسخطهم وملامتهم فی حق اللّٰہ والعدل والقصد استفاد ثمنا ربیحا من رضوان اللّٰہ" (۷۹)

"منصب قضاء صرف اسی شخص کے لیے درست ہے۔ جو لوگوں کے معاملات طے کرنے

میں پختہ اور سنجیدہ ہو۔لوگوں کے غصہ اور ملامت سے بے نیاز ہو۔اور عدل وانصاف سے کام لینے میں اس کے پیش نظر محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہو۔''

اسی اصول کی بناء پر قاضی کا پہلا حق یہ ہے کہ استحقاق کے مطابق تقرری کی جائے۔اگر کسی شخص کے ذمے ایسا کام لگایا جائے جس کو کرنے کی اہلیت اس شخص میں نہ ہوتو نہ صرف اس شخص کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے بلکہ وہ سب لوگ متاثر ہوتے ہیں جو اس سے متعلقہ ہوتے ہیں اس بناء پر قاضی کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کی تقرری اس کے استحقاق کے مطابق ہو۔جس عدالت کے لیے اس کا حق بنتا ہو اسی میں اس کی تقرری کی جائے۔

قضاۃ کی تقرری کے موقع پر مجاز اتھارٹی کے لیے قواعد وضوابط کی پابندی

قاضی کی تقرری کا حق خلیفہ یا سلطان کا صوابدیدی اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اس اختیار کو وہ انہی قواعد کے مطابق استعمال کرسکتا ہے جن کی وضاحت ادب القاضی میں موجود ہے۔قضاء کی ادائیگی کے لیے مہارت،قوت اور طاقت کی ضرورت کے پیش نظر خلیفہ کو یہ حق نہیں کہ وہ جسے چاہیے اس عہدہ پر فائز کردے، بلکہ قاضی کے تقرری کے حقوق میں یہ بات لازمی ہے کہ صرف اہل اور مقررہ شرائط کو پورا کرنے والوں کو ہی یہ منصب سونپا جائے:

''ولا یجوز القضاء الالمن توافرت فیه شروطه التی یصح معها تقلیده وینفذبها حکمه''(۸۰)

''قضاء صرف اسی کے لیے جائز ہے جس میں اس کی شرائط موجود ہوں۔ایسی شرائط جو اس کی تقرری اور اس کے کئے ہوئے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے ضروری ہوں''۔

یہ بات حدیث الرسول ﷺ سے ثابت ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ ﷺ مجھے قاضی بنا رہے ہیں اور میں کم عمر ہوں اور قضاء کا مجھے علم بھی نہیں ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ان اللّٰہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک فإذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاوّل فانه أحری أن یتبین لک القضاء)(۸۱)

''اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت کردے گا اور تمہاری زبان کو ثابت کردے گا۔ جب تم فیصلے کے لیے بیٹھو اور تمہارے سامنے مقدمہ کے فریقین پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک کہ دونوں کو سن نہ لو۔ قریب ہے کہ تمہارے لیے قضاء کے امور واضح ہو جائیں''۔

حکومت وقت کے لیے ضروری ہے وہ صرف اہل افراد کی تقرری ہی عدلیہ میں کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِيْهَا﴾(۸۲)

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ صرف ایسے شخص کو ہی مناصب پر فائز کیا جائے جس میں منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ اپنے منصب سے متعلقہ مہارت کے حامل ہوں۔ ان کے اندر دباؤ برداشت کرنے کی صلاحیت ہو جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ مِن خير أستاجرت القوىّ الأمين﴾(۸۳) فقہاء کا خیال ہے اس آیت میں قوت سے مراد منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی قوت ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''والقوة في كل الولاية بحسبها، القوة في إمارة الحرب ترجع إلى شجاعة القلب والخبره بالحروب والمخادعة فيها ، فإن الحرب خدعة وإلى القدرة على انواع القتال، والقوة في الحكم بين الناس ترجع إلى العلم بالعدل الذى دل عليه الكتاب والسنة وإلى القدرة على تنفيذ الأحكام''(۸۴)

''قوت کا ہر منصب کے حوالے سے مخصوص مفہوم ہے۔ جنگی معلامات کی ذمہ داری میں قوت سے مراد قلبی بہادری جنگوں اور ان جنگی چالوں کا تجربہ ہے کیونکہ جنگیں حکمت عملی ہی کا نام ہیں نیز قتال کی مختلف صورتوں کو جاننے کی صلاحیت بھی جنگی قوت ہے۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ میں قوت سے مراد اس عدل کا جاننا ہے جس کی دلیل قرآن اور سنت میں ہے۔ نیز احکام نافذ کرنے کی صلاحیت بھی (قضاء) میں قوت کی حیثیت رکھتی ہے''۔

ابن تیمیہؒ کے اس بیان سے وضاحت ہوتی ہے کہ قوت سے مراد فرض کی ادائیگی کی صلاحیت ہے اسی لیے سیاست شرعیہ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ انہی لوگوں کو فرائض منصبی سونپے جائیں گے جن میں انہیں ادا کرنے کی صلاحیت ہوگی (۸۵) خلفاء راشدین ولاۃ اور قضاۃ کے تعین کے موقع پر قوت وامانت کی شرط کا لحاظ کرتے تھے اسی لیے

حضرت عمر بن الخطابؓ کے متعلق قول ہے کہ "ھذا و اللہ القویّ الأمین"(۸۶)

قضاء سے متعلقہ شرائط کے وجود کو یقینی بنانے کے لیے حکومت وقت یا خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ قضاۃ کے تقرر کے لیے ان کی صلاحیتوں کو جاننے کے لیے اختبار لیں تا کہ اس منصب پر وہی فائز ہو جو اس کا حق دار ہو۔(۸۷)

قرآن پاک میں حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے اختبارات کا ذکر ہے۔(۸۸)

قاضی کے تقرر کے لیے اختبار کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اختیار کیا جب آپ نے معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی اور والی بنا کر بھیجا۔(۸۹)

خلفاء راشدین نے بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے اس طریقے کو جاری رکھا چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت کعب بن سوارؓ کو بصرہ میں قاضی بنانے سے پہلے ان کا امتحان لیا۔ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اس نے اپنے شوہر کے متعلق کہا میں نے اس سے اچھا کوئی مرد نہیں دیکھا۔اللہ کی قسم وہ رات کو قیام کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔حضرت عمرؓ نے اس عورت کے لیے دعا کی اور اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ تجھے اختیار ہے۔عورت کو شرم محسوس ہوئی اور جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔اس پر کعب بن سوارؓ سے حضرت عمر بن الخطابؓ نے پوچھا کیا اس نے اپنے شوہر کی شکایت نہیں کی۔کعب نے کہا اس نے اپنے شوہر کی شکایت کی ہے کہ وہ اس سے ہمبستری سے اجتناب کرتا ہے جبکہ یہ جوان ہے۔حضرت عمرؓ نے کعب بن سوار سے فرمایا:"اقض بینھما" ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔حضرت کعب نے فیصلہ کیا جو حضرت عمرؓ کو اچھا لگا تو آپ نے ان سے کہا"اذھب قاضیا علی البصرة" آپ بصرہ میں بطور قاضی کام کرنے کے لیے جاؤ۔(۹۰)

حضرت عمر ذاتی تجربہ اور اکثر عملی امتحان کے بعد قاضی کا تقرر کرتے تھے قاضی شریح تاریخ اسلام کے ایک مشہور قاضی ہیں۔ان کی تقرری بھی ایک امتحان کے بعد ہوئی حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔حضرت عمر نے اس کو واپس کرنا چاہا۔گھوڑے کے مالک نے انکار کیا اس پر نزاع پیدا ہو گیا اور شریح ثالث مقرر ہوئے۔انہوں نے کہا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔(۹۱)

اسلامی نظام قضاء میں تقرری کے لیے امتحان کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے حکومت وقت اس موقع پر جو مناسب طریقہ ہوا اختیار کر سکتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب ہو جو عدل و انصاف کر سکیں۔ اس ضمن میں فقہاء کا کہنا ہے کہ ''خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ قضاء کے منصب پر اس کے اہل شخص کا تقرر کرے'' (۹۲)
خلیفہ کیسے یہ پتہ چلائے کہ کوئی شخص اس منصب کے لیے اہل ہے یا نہیں؟ اس کا جواب فقہاء اس طرح دیتے ہیں:

> ''اگر خلیفہ ذاتی طور پر جانتا ہو کہ کوئی شخص قضاء کے منصب کا اہل ہے، تو وہ اپنے علم کی بنیاد پر قاضی کا تقرر کر دے اور اگر ذاتی طور پر خلیفہ کو اس بات کا علم نہ ہو تو وہ اہل علم سے اس کے بارے میں معلومات جمع کرے، خلیفہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ امیدوار سے خود کچھ سوالات کر کے اس کا امتحان لے لے۔ پس جب خلیفہ کسی امیدوار کی صلاحیت سے مطمئن ہو جائے تو وہ اس کی تعین کے احکامات صادر کرے۔'' (۹۳)

قاضی کی تقرری میں اختبار سے متعلق جو نظائر بیان ہوئی ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ عصر حاضر میں قضاء کے امیدواروں کی صلاحیت کو جانچنے کے لیے قواعد وضوابط وضع کیے جا سکتے ہیں۔ ان قواعد میں علمی صلاحیت کے لیے یونیورسٹی کی ڈگری کا ہونا لازم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح امیدواروں کا امتحان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے قواعد شرعی تقاضوں کے خلاف نہیں ہیں بلکہ یہ ان کو پورا کر کے **المصلحة المشروعة** کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہو سکتے ہیں۔

قاضی کی تقرری اور تعیین کے حوالے سے اس بات کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ اسلام سرکاری مناصب خاص طور پر قضاء کے لیے دوڑ دھوپ کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اسلامی اصولوں کی رو سے مناصب حریص لوگوں کو نہیں دیئے جاتے بلکہ اس کی وجہ سے تقرری سے منع بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إنا واللّٰه لانولي من سأله، ولا من حرص عليه)) (۹۴)

جس نے کسی منصب پر تقرری طلب کی یا اس کا لالچ کیا تو اسے ہم اس منصب پر نہیں لگائیں گے۔ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ مناصب عامہ امانتیں ہیں اور اگر یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں جو ان کے اہل نہیں تو وہ ان میں خیانت کرتے ہیں کیونکہ السیاسۃ الشریعہ میں کہا جاتا ہے کہ:

"فإذا ائتمن الرجل الخائن علی وضع الأمانات کان کمن استدعی الذئب علی الغنم"(۹۵)

خائن شخص کو امانتوں کی جگہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے بھیڑیئے کو بکریوں کی رکھوالی کے لیے لگا دیا جائے۔

مناصب کی تگ ودو سے منع اس صورت میں ہے جب اہل امیدواروں کی تعداد محدود ہو اور حکومت ان کی صلاحیتوں سے آگاہ ہو۔ ایسی صورت میں ولی الأمر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس عدد محدود میں سے جو تقرری کا مستحق ہو اس کی تقرری کر دے۔ جیسے کہ حکومت ہائیکورٹ کے ججوں میں سے سپریم کورٹ کے ججوں کا انتخاب کرتی ہے لیکن جب امیدواروں کی تعداد بہت زیادہ ہو جیسے ماتحت عدلیہ کے سول جج بننے کے لیے ہزاروں امیدوار ہوتے ہیں اور حکومت کو ان کی صلاحیتوں کا علم نہیں ہوتا تو اس موقع پر امیدوار بننا درست ہے۔(۹۶)

موجودہ حالات میں اگر حکومت وقت جج بننے کے امیدواروں سے درخواستیں طلب کرے تو ایسا کرنا درست ہے۔ حکومت اس کے لیے درخواست فارم بنا سکتی ہے تاکہ تعین سے قبل امیدواروں کے متعلق جتنی معلومات کی ضرورت ہو وہ جمع کی جا سکیں اس قسم کی درخواست دینا کسی عہدے کے لیے سعی کرنے سے منع کے اسلامی اصول کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ اصول اس وقت لاگو ہوتا ہے جب امیدواروں کی تعداد کم ہو اور حکومت کو ان صلاحیتوں کا علم ہو۔(۹۷)

آزادانہ سماعت کا حق

یہ حدیث ذکر کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل کو قاضی بنا کر بھیجا، تو آپ نے ان سے دریافت کیا: "آپ کیسے فیصلہ کریں گے؟ انہوں نے کہا "کتاب اللہ سے" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اگر آپ کتاب اللہ میں نہ پائیں تو؟" اس پر حضرت معاذ نے عرض کیا سنت رسول اللہ ﷺ سے "اگر سنت میں بھی کوئی حکم نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا "میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی فیصلہ کرنے میں سوائے قانون کے اور کسی چیز کا پابند نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تھا تو وہ صحابہ میں سے فقہاء صحابہ سے مشورہ

کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب سلطنت اسلامیہ کی حدود میں اضافہ ہوگیا تو قضاء کی ولایت کو الگ کر دیا گیا۔ قضاء میں فیصلے کرتے ہوئے قانون کے سوا کسی اور چیز کی پابندی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو خط لکھا اور اس میں اسی قسم کی ہدایات جاری فرمائیں: آپ نے لکھا:

> ''جو کچھ کتاب اللہ اور سنت رسول میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں اگر آپ کے پاس کوئی ایسی چیز آئے جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور نہ ہی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی فیصلہ کیا ہو تو قضاۃ کے سابقہ فیصلوں کو دیکھیں۔ آپ کو حق ہے کہ چاہیں تو اپنی رائے سے اجتہاد کرلیں اور چاہیں تو مجھ سے مشورہ کرلیں اور مجھے آپ کے فیصلوں سے کوئی غرض نہیں سوائے اس کے کہ آپ کو سلام کہوں''۔(۹۸)

اس خط سے فیصلہ سازی کے ضمن میں قاضی کے حقوق کے متعلق اسلامی تصور کی وضاحت ہوتی ہے۔

اسلامی عدالتی نظام میں قضاۃ کے لیے مشورہ کرنے کی روایات موجود ہیں قاضی کسی بھی مقدمہ کے ضمن میں قضاۃ وعلماء سے مشورہ کرسکتا ہے عدالتی مدد کے لیے مشیروں کا باقاعدہ تقرر بھی کیا جاسکتا ہے لیکن قاضی فیصلہ کرنے میں اس بات کا پابند نہیں کہ وہ مشورہ کو ضرور مانے، فیصلہ کرتے وقت اس کے سامنے عدل وقانون کے علاوہ اور کوئی معیار نہیں ہوتا۔(۹۹)

عدالتی عملے کی معاونت

قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو مناسب عدالتی عملہ میسر ہو جو عدالتی امور میں قاضی کی معاونت کرے، اس کے عملے میں کاتب (Reader) الحاجب، البواب، مترجم، اللواز وغیرہ شامل ہیں۔ الحاجب لوگوں کو قاضی کی عدالت میں ترتیب سے پیش کرنے کا پابند ہے اس کو ادب القاضی میں صاحب مجلس بھی کہا جاتا ہے۔ اس منصب کے لیے قاضی کو خود تقرری کا حق حاصل ہے۔ قاضی کو چاہیے کہ اس منصب پر ایسے شخص کو فائز کرے جو لوگوں کو قاضی کے سامنے پیش کریں ان کو مناسب جگہ پر بٹھائیں گواہوں کو پیش کریں اور اگر کوئی بے ادبی کرے تو اسے منع کریں۔(۱۰۰)

حاجب کے علاوہ قاضی کو سنتری، درباں، ترجمان اور رجسٹرار وغیرہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے سنتری عدالت اور قاضی کے وقار کا محافظ ہوتا ہے۔ دربان فریقین کو عدالت میں پیش کرنے میں عدالت کی معاونت کرتا ہے دربان کی وجہ سے عدالت کا رعب و دبدبہ اور وقار ملحوظ خاطر رہتا ہے۔ ترجمان ایسے لوگوں کی مدد کے لیے ہوتا ہے جن کو قاضی کی زبان سمجھ میں نہ آتی ہو۔ رجسٹرار عدالت کی گواہیاں، ثبوت اور اقرار وغیرہ کا محافظ ہوتا ہے۔(۱۰۱)

قاضی اپنے معاون عملے کا تقرر خود بھی کر سکتا ہے اور انتظامیہ سے بھی اس ضمن میں مشورہ لے سکتا ہے لیکن معاون عملہ صرف قاضی کے حکم کا پابند ہوگا انتظامیہ اس ضمن میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتی فقیہہ السمنانی لکھتے ہیں:

''قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاتب اور دوسرے اہلکاروں کی نگرانی کرے۔''(۱۰۲)

منصب قضاء سے معزولی کے بارے میں قاضی کے حقوق

انتظامیہ ہمیشہ عدلیہ پر اس وقت اثر انداز ہونے میں کامیاب ہوئی ہے جب انتظامیہ کو ججوں کو معزول کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے، اسلام میں جہاں خلیفہ کو قاضی کی تقرری میں شرائط کا پابند بنایا جاتا ہے وہاں تنزلی اور معزولی کو بھی مشروط کیا گیا ہے اس بارے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں:

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر قاضی درست کام کر رہا ہو اور اس کو ہٹانے میں کوئی مصلحت نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اس کے عہدے سے معزول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قاضی کی تقرری با قاعدہ معاہدہ ہوتا ہے اور اس معاہدے کی پابندی لازمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (اوفوا بالعقود)(۱۰۳) ''معاہدات کی پابندی کرو'' چونکہ قاضی کی تقرری میں مسلمانوں کے مصالح کا تحفظ ہے اس لیے اسے بلا سبب ہٹایا نہیں جا سکتا۔

احناف اور بعض حنابلہ قاضی کو معزول کرنے کے جواز کے قائل ہیں اگر چہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہوا ہو جو اس کی معزولی کا تقاضا کرتا ہو، ان کا استدلال یہ ہے کہ امام کو جس طرح دوسرے عہدیداروں کو بغیر وجہ کے معزول کرنے کا اختیار ہے اسی طرح سے قاضی کو ہٹانے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ لیکن یہ اختیار صوابدیدی نہیں ہے اور قاضی کو صرف اسی صورت میں ہٹا جا سکتا ہے جب اس کے لیے کوئی معقول سبب ہو۔

اس رائے کے حاملین کے نزدیک اگر کوئی سبب ہو تو قاضی کو ہٹایا جا سکتا ہے مثلاً اگر کسی کو قاضی مقرر کر دیا گیا

اور پھر اس سے بہتر کوئی دوسرا قاضی مل گیا تو دوسرے کو لگایا جاسکتا ہے۔ یا قاضی نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو یا اس کی عقل جاتی رہے یا اسے ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت متاثر ہو چکی ہو۔ یا پھر قضاء کی شرائط میں سے کچھ شرائط قاضی کی ذات میں مفقود ہو جائیں۔ ان صورتوں میں قاضی کو ہٹانا جائز ہے۔(۱۰۴)

ان تمام آراء میں سے پہلی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ حالات میں قاضی کی آزادی اور اس کے انتظامی حقوق کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلی رائے پر عمل کیا جائے۔(۱۰۵)

اگر کسی خلیفہ نے قاضی کا تقرر کیا اور پھر خلیفہ فوت ہو گیا یا اسے ہٹا دیا جائے تو اس سے قاضی کی تقرری پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ قاضی اپنے فرائض بدستور سرانجام دیتا رہے گا۔ کیونکہ قاضی کی معطّلی سے عدل وانصاف کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے مصالح عامہ کے خلاف ہے۔(۱۰۶)

قاضی ابو حامد احمد بن محمد (متوفی ۴۰٦ھ) بغداد کے قاضی تھے اور اپنے جاہ وجلال اور استقلال کی وجہ سے معروف تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو لکھا:

> "اعلم أنک لست بقادر علی عزلی عن ولایتی التی ولانیها اللّٰه تعالی، وأنا اقدر أن أکتب إلی خراسان بکلمتین أوثلاث أعزلک عن خلافتک" (۱۰۷)
>
> "آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ مجھے اس ولایت سے معزول نہیں کر سکتے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے۔ ہاں البتہ اگر میں خراسان کی طرف دو یا تین چیزیں لکھ کر بھجوادوں تو تمہیں خلافت سے معزول کر سکتا ہوں"۔

قاضی کے سول حقوق

قرآن وسنت کے علاوہ قاضی اجتہاد کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے اور جب قاضی کوئی فیصلہ کر دے تو اس کے فیصلے کو قبول کر لیا جائے گا اس ضمن میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء نے اجتہاد کے قواعد طے کر دیئے ہیں اس ضمن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

اگر میں (اس چیز کے بارے میں) زیادہ علم رکھتا ہوں جس پر لوگ معمول ہیں تو میرے ذمے ہے کہ میں اجتہاد کروں اور اگر مخالف زیادہ علم رکھتا ہو تو میرے ذمے ہے کہ اس کی رائے پر عمل کروں۔(۱۰۸)

یہ رائے قرآن پاک کے اس حکم کی تطبیق کے بارے میں ہے کہ:

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۱۰۹)

اگر قاضی نے اجتہاد کیا اور اس میں غلطی کی تو بھی اس سے تعارض نہیں کیا جائے گا ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اذا حكم الحاكم فاجتهدثم اصاب فله اجران وإذا حكم فاجتهد ثم اخطأفله اجر)) (۱۱۰)

"جب کوئی فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور درست اجتہاد پر پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے"۔

سعید اپنی سنن میں عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے آپ ﷺ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ یہ فیصلہ کرنے کے زیادہ لائق ہیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آپ نے قضاء میں درست فیصلہ کیا تو آپ کے لیے دس نیکیاں ہیں اور اگر فیصلہ میں غلطی ہوگی تو ایک نیکی۔(۱۱۱)

یہ حدیثیں اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ قاضی سے اگر فیصلہ قضاء میں خطا بھی ہو جائے تو اس کی کوئی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور ایسی خطا کو اجتہادی خطاً تصور کیا جائے گا۔ ان احادیث کی بناء پر فقہاء نے یہ طے کر دیا ہے کہ قضاۃ پر ان کے فیصلوں کے ضمن میں اعتراض نہیں کیا جا سکتا، تاہم اگر کوئی قاضی چاہے تو خود اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے

قاضی کے لیے

قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے مقدمات کو سنے، ان کی سماعت کرے اور پھر حق کے مطابق فیصلہ کر دے جب قاضی فیصلہ کر دے تو پھر اس کا فیصلہ لاگو ہوگا اور کسی کو اس فیصلہ کرنے کی بناء پر قاضی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلاَ وَرَبُّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِی اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتُ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (۱۱۲)

''آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تنازعات میں حاکم نہ بنالیں اور آپ کے کیے ہوئے فیصلوں کو قبول کرنے میں پس وپیش نہ کریں اور آپ جو فیصلہ کر دیں اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دیں''۔

اسی بناء پر فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ قاضی کے فیصلوں کو خوشدلی سے تسلیم کیا جائے گا اور اس کے کیے ہوئے فیصلوں پر اس پر نہ تو لعن طعن ہوگی اور نہ ہی اس کے کام میں رکاوٹ ڈالی جائے گی اور یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ قاضی کو اس بارے میں مکمل تحفظ فراہم کرے۔ اسی لیے فقہ اسلامی نے عدالت کے امور میں قاضی کو مکمل اختیار دیا ہے اور اسے یہ بھی اختیار دیا ہے کہ اگر کوئی عدالتی کارروائی میں خلل ڈالے تو وہ اسے سزا دے سکتا ہے۔

توہین عدالت کا تصور بھی اسلامی قوانین میں وجود ہے اگر کسی مقدمہ کا کوئی فریق سماعت میں مشکلات پیدا کرے، قاضی سے بدتہذیبی کرے مثلاً یہ کہے کہ تم نے میرے خلاف جو فیصلہ دیا ہے وہ مبنی برحق نہیں ہے۔ یا تم نے رشوت لی یا یہ کہے اگر میں بڑا آدمی ہوتا تو آپ کو روپے دیتا تو آپ میرے حق میں فیصلہ کر دیتے۔ یا میری گواہی قبول کرتے۔ تو ایسی صورت میں یہ باتیں کہنے والے کے خلاف قاضی تادیبی کارروائی کر سکتا ہے اور اسے قید کرنے کا حکم جاری کر سکتا ہے۔ (۱۱۳)

معاشرتی عزت ووقار اور مراعات حیات کا حق

قاضی معاشرے کا ایک اہم فرد ہوتا ہے اس کا منصب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے معاشرے میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ چونکہ وہ لوگوں کے تنازعات کو طے کرتا ہے اس لیے اس کا غیر جانبدار ہونا بھی ضروری ہے۔ اسے اپنے اخلاق واعمال میں بڑا محتاط ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں بعض تفاصیل درج ذیل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لیے مناسب نہیں کہ خود خرید وفروخت اور تجارت کرے

کیونکہ جب وہ یہ فرائض سرانجام دے گا تو قاضی ہونے کی بنا پر لوگ اس کے ساتھ رعایت کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ جب ان کا کوئی فیصلہ اس کی عدالت میں آئے تو وہ بھی ان سے جانبداری کا رویہ اختیار کرے۔(۱۱۴)

بعض فقہاء نے قاضی کی طرف سے ایسے کام کرنے کو جائز قرار دیا جو براہ راست تجارت نہ ہوں۔ جیسے فارغ اوقات میں کسی دوسرے پیشے کو اختیار کرنا لیکن اس ضمن میں ترجیح اسی قول کو ہے کہ قاضی کو قضاء کے علاوہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے فارغ اوقات میں ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ساتھ ہی حکومت کی ذمہ داری بھی ہے، قاضی کو اتنی تنخواہ دے جو باوقار زندگی گزارنے کے لیے کافی ہو۔

قاضی کی تنخواہ پر فقہاء نے رزق القاضی کے عنوان سے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ قاضی اگر امیر اور دولت مند ہو تو اسے بیت المال سے کچھ نہیں لینا چاہیے۔ ابن قدامہ کا اس ضمن میں قول یہ ہے کہ ''صحیح یہ ہے کہ قاضی کا بیت المال میں سے تنخواہ لینا جائز ہے'' کیونکہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنے تو ان کی تنخواہ دو درہم روزانہ مقرر کی گئی اور یہ کہ حضرت عمر نے زیدؓ اور شریحؒ کو قاضی بنایا تو ان کی تنخواہیں بھی مقرر کیں کیونکہ لوگوں کو تنخواہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس کا مقرر کرنا ضروری ہے۔(۱۱۵) یہی جمہور کی رائے ہے۔

قاضی کے لیے تنخواہ کا ہونا نہ صرف ضروری ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تنخواہ اتنی ہو جو اس کی تمام جائز ضروریات کو پورا کر سکے۔(۱۱۶)

بلکہ حضرت عمرؓ تو ضرورت سے زیادہ بھی تنخواہ دینے کے حق میں ہیں تا کہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں قاضی مطمئن ہو۔ اسی رائے کو قاضیوں اور ججوں کی تنخواہوں کے تعین میں اہمیت دی جانی چاہیے اور ان کے لیے اتنی تنخواہ مقرر ہونی چاہیے جو ان کی ضروریات کو پورا کرے۔

اصل میں تو تحفے قبول کرنا درست ہے لیکن اگر اس کے قبول کرنے میں فساد کا خطرہ ہو تو پھر یہ منع ہے۔ فقہا نے قاضی کے ضمن میں کہا ہے:

> ''قاضی جن فریقوں کے درمیان فیصلہ کر رہا ہو وہ ان میں سے کسی سے ہدیہ قبول نہیں کرے گا۔ ایسا کرنے سے اس کی غیر جانبداری متاثر ہوگی''۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہدیہ (Gift) واپس کر دیا تو ان سے کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ تحفے قبول

کرتے تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا: ''آنحضور ﷺ کے لیے یہ ہدیہ تھے جب کہ ہمارے لیے یہ رشوت ہے۔آنحضور ﷺ ہدیہ کے ذریعے مسلمانوں کو قریب کرتے تھے۔آپ نبی تھے اور معصوم تھے ان خطرات سے جو ہدیہ کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔(۱۱۷)

قاضی کے شخصی اوصاف اور طرز عمل

قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ رعب دار شخصیت کا حامل ہو اور اس میں ایسی مروت ہو جو قضاء کے منافی نہ ہو۔وہ لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھے تاکہ لوگ اس سے رعایت کی توقع نہ کریں۔لوگوں کی زیادہ مجالس میں نہ جائے اور نہ ہی عام لوگوں سے ہنسی مذاق کرے۔یہ سب کچھ اس کے وقار کے منافی ہے۔قاضی کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ باوقار گفتگو کرے اس کی گفتگو میں جھوٹ،فحش گوئی اور دوسروں کا ٹھٹھا مذاق کرنے والی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔

قاضی کے اخلاق کے ضمن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوبصورت تجزیہ فرمایا ہے،آپ نے فرمایا:

> ''کسی شخص کے لیے اس وقت تک قاضی بننا مناسب نہیں جب تک اس میں پانچ خصوصیات نہ ہوں ان میں سے اگر کوئی بھی خصوصیت کم ہوگی تو منصب قضاء (کے تقاضوں کی بجا آوری) میں خلل واقع ہوگا۔

۱۔ سابقہ فیصلوں کا علم ہو۔

۲۔ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔

۳۔ حرص زر سے بچنے والا ہو۔

۴۔ فریقین کے معاملہ میں بردبار ہو

۵۔ ملامت کو برداشت کرنے والا ہو (یعنی حق کے مطابق فیصلہ میں کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کرنے والا ہو) پس قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان صفات کے مطابق اپنے اخلاق کو حسنات سے مزین کرے۔(۱۱۸)

فقہاء نے قاضی کے سماجی رویے اور عدالتی رویے کے متعلق تفصیلی احکام مصادر شریعہ سے مستنبط کئے ہیں۔ قاضی کو چاہئے کہ عدالتی معاملات میں گہرا غور وفکر کرے اور ایسی حالت میں فیصلہ نہ کرے جب اس کو بھوک یا پیاس لگی ہوئی ہو۔ فیصلہ کرتے ہوئے اسے الجھنوں سے بچنا چاہیے۔ غصے اور زیادہ خوشی میں بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہے۔ عدالت میں تمام فریقین سے یکساں رویہ رکھنا چاہیے۔ قاضی کی گفتگو میں احتیاط اور وقار ہونا چاہیے۔

سماجی رویے کے متعلق فقہاء کہتے ہیں کہ اسے لوگوں کی شخصی دعوتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ قاضی قریبی رشتہ داروں اور احباب کی ولیمہ اور ختنہ جیسی دعوتوں میں جاسکتا ہے اور مسلمانوں کے جنازہ میں شریک ہوسکتا ہے۔ (۱۱۹)

خاتمہ

اسلامی عدالتی نظام قضاء کی ترکیب وترتیب اور اس کے اسالیب وطرق سے بحث کرتا ہے۔ نیز قضاء کی اہمیت، عدل وانصاف کی فراہمی میں استقلال قضاء کے کردار اور قضاۃ کے امتیازات، شرائط، اختیارات اور اخلاق و روّیہ سے متعلق احکام بھی اس کا موضوع ہیں۔ قضاء جو کہ اسلامی قانون کے مطابق تنازعات اور جھگڑوں کو نبٹانے کا نظام ہے اسلامی تہذیب وتمدن میں عدل وانصاف کی فراہمی کا بنیادی ادارہ ہے۔ کسی بھی منظم، مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے کا عدل وانصاف کے بغیر تصور محال ہے۔ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے اسباب میں ایک سبب مسلمان معاشروں میں عدل وانصاف کی با آسانی اور فوراً فراہمی تھی۔ ابتدائی صدیوں میں مسلمان فاتحین کا عدل ہی وہ ذریعہ تھا جو علاقوں کی فتح کے ساتھ ساتھ دلوں کی فتح کو بھی یقینی بناتا گیا۔ عدل وانصاف کی فراہمی فقہ اسلامی کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ شریعت اسلامیہ جن مقاصد کے لیے بھیجی گئی ان کا تحفظ آزاد اور خودمختار عدلیہ کی طرف سے فراہم کردہ عدل سے ہی ممکن ہے۔

عدل وانصاف کی فراہمی آزاد وخودمختار عدلیہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ استقلال قضاء عدلیہ کو بلاخوف وخطر صرف قانون اور ضمیر کے مطابق فیصلہ کرنے کی قوت دیتا ہے اور یہی وہ محرک ہے جو تہذیب وثقافت کی ترقی اور معاشرتی اور اقتصادی استحکام کی بنیاد ہے۔ استقلال قضاء کی اسی اہمیت کے پیش نظر فقہ اسلامی میں نہ صرف اس کی مشروعیت کے تفصیلی احکام ملتے ہیں بلکہ تاریخ اسلام میں اس کی عملی تطبیق کی واضح مثالیں بھی ملتی ہیں۔

مغربی قوانین میں ججوں کے تحفظ اور امتیازات سے متعلقہ قواعد وضوابط سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بعد کا اضافہ ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے ہاں استقلال قضاء کی بنیاد کئی صدیاں پہلے قرآن وسنت کی ہدایات اور خلفاء راشدین کی نظیروں کی روشنی میں اس طرح مستحکم ہو گئی کہ اسلامی نظام قضاء بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے دور میں بھی عدل وانصاف کی فراہمی کے بنیادی فریضہ کی ادائیگی میں کامیاب رہا۔ ججوں کا تحفظ، استقلال اور عدلیہ سے متعلقہ ان کے حقوق اور ان کے کیے گئے فیصلوں اور ان کی ذات کا تحفظ استقلال قضاء کا بنیادی ستون رہا۔ مسلمان فقہاء نے ادب القاضی کے عظیم ذخیرہ میں ایسے بیش قیمت موتی چھوڑے ہیں جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عدلیہ کی آزادی کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ اسلامی نظام قضاء ایک طرف ججوں کے استقلال اور حریت فکر کا تحفظ کرتا ہے تو دوسری طرف ان کے کردار، رویہ اور شخصیت کے رجحانات کو بھی منظم کرتا ہے۔ تاکہ نہ صرف وہ بلا خوف وخطر فیصلے کریں بلکہ ان کی شخصیت کی طرف بھی کسی کو کوئی طعن کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

عدل وانصاف کی شاندار روایت کی حامل مسلمان قوم کی موجودہ زبوں حالی اور زوال کا ایک سبب ظالموں اور جابروں کا مسلمان معاشروں میں آزاد پھرنا ہے۔ جب عدلیہ آزاد ہوتی ہے تو ظالم، جابر اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے والے قانون کی گرفت میں آتے ہیں اور اگر عدلیہ محکوم ہو جائے تو پھر ظلم آزاد ہو جاتا ہے۔ معاشرے کو جبر اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ یہی کچھ آج کے مسلمان معاشروں سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو آزاد عدلیہ کے ذریعے اپنے معاشروں میں عدل وانصاف فراہم کرنے کی توفیق دے (آمین ثمّ آمین)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الکاسانی (علاء الدین أبی بکر بن مسعود متوفی ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، تحقیق شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل أحمد عبد الموجود، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱۹۹۷ء، ص:۸۲/۶.

ابن عابدین (محمد عابدین)، رد المحتار علی الدّر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص:۳۰۷/۴۔

۲۔ ادب القاضی کے متعلق قدیم کتب کی تفاصیل کے لیے دیکھئے حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، استبول ۱۹۵۰ء، ص: ۳۹۔۵۱.

ابن ندیم (متوفی ۳۸۵ھ) الفہرست، مکتبہ خیاط بیروت، ص: ۲۴۶/۱ تا ۲۴۷.

محمود احمد غازی، ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص: ۳۹۔ ۵۹.

۳۔ ابن خلدون(عبد اللہ بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ء/۱۴۰۶ھ)، المقدمة، بیروت، دارالعودة، ۱۹۸۱ء۔ص:۲۲۷،

۴۔ ابن منظور الأفریقی (محمد بن مکرم متوفی ۷۱۱ھ)، لسان العرب، مادہ قلل، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص: ۲۰۹/۱۱.

۵۔ یوسف: ۴۱.

۶۔ القصص: ۳۶.

۷۔ القصص: ۲۸.

۸۔ القصص: ۴۴

۹۔ الاسراء ۲۳.

۱۰۔ فصلت: ۱۲.

۱۱۔ طہ: ۷۲.

۱۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ص: ۲۰۹/۱۱.

۱۳۔ ابن منظور، نفس المصدر، ص: ۲۰۹/۱۱۔۲۱۰، وھبة الزحیلی، الفقہ الإسلامی وادلتہ، ص: ۴۸۰/۶.

۱۴۔ زیدان، عبد الکریم، نظام القضاء فی الشریعة الإسلامیہ، ص: ۱۲۔۱۳،

محمود احمد غازی، ادب القاضی، ص: ۱۸۷.

۱۵۔ الشربینی (محمد بن احمد الخطیب متوفی ۹۷۷ھ) ، مغنی المحتاج معرفة معانی الفاظ المنهاج، شرکة سابی، بیروت. ۱۹۷۵، ص: ۳۷۲/۴

۱۶۔ ص: ۲۶.

۱۷۔ المائدہ: ۴۹

۱۸۔ النور: ۵۱

۱۹۔ محمود احمد غازی، م،ن، ص: ۷۶

۲۰۔ المائدہ: ۴۲

۲۱۔ النساء: ۱۰۵

۲۲۔ النساء: ۶۵

۲۳۔ دیکھئے الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۸۵/۶

۲۴۔ البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب اجر الحاکم إذا اجتهد فأصاب أو اخطائه حدیث نمبر ۶۹۱۹، ص: ۲۶۷۶/۶

۲۵۔ الترمذی، السنن، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، حدیث نمبر ۱۳۲۷، ص: ۶۱۶/۳

۲۶۔ ابن خلدون،المقدمه ، ص: ۲۲۰. ۲۲۱

۲۷۔ ابو یعلی (محمد بن الحسین انصر متوفی ۴۵۸ھ) الأحکام السلطانیه تحقیق محمد حامد القضی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۸۳، ص: ۲۸.

۲۸۔ ابن خلدون، م.ن، ص: ۲۲۰. ۲۲۱

۲۹۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۸۲/۶

۳۰۔ ابن قدامه (محمد بن عبد الله بن احمد متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مکتبه الریاض الحدیثة، ص: ۳۴/۹

۳۱۔ المائدہ: ۴۲

۳۲۔ محمود احمد غازی ، م.ن، ص: ۸۰. ۸۱.

۳۳۔ ابو داؤد، السنن کتاب الأقضیة، باب فی طلب القضاء، حدیث نمبر ۳۵۷۱، ص: ۱۹۸/۳

۳۴۔ الکاسانی، م.ن، ص: ۸۵/۶

۳۵۔ البخاری، الصحیح ، کتاب الأحکام ، باب یکره من الحرص علی الامارة، حدیث نمبر ۶۷۳۰، ص: ۲۶۱۴/۶

۳۶۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الأقضية، باب فی طلب القضاء التسرع إليه، حديث نمبر ۳۵۷۸، ص: ۳/۳۰۰

۳۷۔ السمر قندی، تحفة الفقهاء، ص: ۳/۶۳۶

۳۸۔ ابو داؤد، السنن ، کتاب الأقضية، باب اجتهاد الولیٰ فی القضاء، حديث نمبر ۳۴۴۷، ص: ۲۱۲/۵، ۲۱۳

۳۹۔ ابن رشد، حاشية العدوی علی شرح ابی الحسن لرسالة آبی زید، دارالمعرفه ، بیروت. ص: ۲/۳۱۰

۴۰۔ ابن منظور، لسان العرب، مادة قلل، ص: ۱۱/۸۹.

۴۱۔ عبد المنعم عبد العظيم جيزة، نظام القضاة فی المملكة العربية السعودية، مطبعة معهد الإدارة العامة، ۱۹۸۸ء. ص: ۵۰

۴۲۔ عمار بوضياف بن التهامی، معالم استقلال القضاء فی الشريعة الإسلامية، مجلة البحوث الفقهية المعاصرة ، العدد الثانون محرم، صفر، ربيع الاوّل ۱۴۱۷ھ،اگست،ستمبر۱۹۹۶،ص:۱۲۰۔

۴۳۔ A Concise Law Dictionary, P. 185

۴۴۔ Ibid

۴۵۔ www.butter worth.com

۴۶۔ Olowofoyeku, Abimbola, Suing Judges- A Study of Judicial Immunity (Oxford Clarendon Press, 1993) P.5.

۴۷۔ دیکھیے شبلی نعمانی، الفاروق، مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۰، ص:۳۳۱

۴۸۔ البیہقی، السنن، ص:۱۰/۱۳۶

۴۹۔ آدم متز، الحضارة الإسلامية فی القرن الرابع للهجری، مترجم محمد عبد الهادی ابو ريدة، دارالكتاب العربی، بیروت، لبنان، ص: ۱/۴۱۵

۵۰۔ آدم متز،م۔ن،ص:۱/۴۱۶۔

۵۱۔ البیهقی، المحاسن والمساوی، ص:۵۳۳

۵۲۔ الحديد: ۲۵

۵۳۔ کنز العمال، ص: ۳/۱۷۴.

۵۴۔ ابن قدامه، المغنی، ص: ۹/۳۶

۵۵۔ محمد بن یوسف (متوفی ۷۹۱ھ)واسطة السلوک فی سياسة الملوک،تحقيق عبد الرحمن عون،ص:۲۳

٥٦ـ محمد بن يوسف ، م. ن، ص: ١٤٣، انور العمروسى، التشريح والقضاء فى الإسلام،الاسكندرية، مؤسسة شباب الجامعة، ١٩٨٤. ص:٥٣

٥٧ـ محمد الخضرى، تاريخ التشريع الإسلامى،دارالفكر بيروت، ١٩٨١ء، ص: ١١٦

٥٨ـ محمد بن يوسف، م.ن، ص: ١٤٢

٥٩ـ البلاذرى (أبو العباس احمد بن يحيى، فتوح البلدان دارالنشر للجامعين، ١٩٥٧، ص:٤٢٨ ، مصطفى احمد الزرقاء، المدخل الفقهى العام، ص: ١٢١

٦٠ـ عبدالوهاب خلاف، السلطات الثلاث فى الإسلام، مجلة القانون والاقتصاد، السنة السادسة، العدد الرابع، ابريل١٩٣٦ء،ص: ٨٥٥

٦١ـ عمار بوضياف بن التهامى، معالم استقلال القضاء فى الشريعة الإسلامية، مجله البحوث الفقهية المعاصرة، السنة الثامنه، العدد الثلاون، ١٤١٧هـ، ص:١٣٠

٦٢ـ آدم متز، م.ن، ص: ١/٣٩٩، ٤٠٢.

٦٣ـ النساء:٥٨

٦٤ـ ابو داؤد، السنن، كتاب الأقضية ، باب فى طلب القضاء، حديث نمبر ٣٥٧٣، ص: ٣/٢٩٩

٦٥ـ زيدان، نظام القضاء، ص: ٤٧

٦٦ـ آدم متز، م.ن، ص:/٤٢٥.

٦٧ـ الماوردى (ابو الحسن على بن محمد بن حبيب متوفى ٤٥٠هـ)، ادب القاضى بغداد ١٩٧٢ء، ص: ١/١٣٧

٦٨ـ الفتاوى الهندية المعرف بالفتاوى العالمگيرية داراحياء التراث العربى، بيروت، ص: ٣/٣٠٧

٦٩ـ ابن قدامه، المغنى، ص: ٩/١٠٦

٧٠ـ الفتاوى الهندية، ص: ٣/٣٠٧

٧١ـ ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، ص: ٥/٣٨٦

٧٢ـ ابن الهام (كمال الدين محمد متوفى ٨٦١هـ) ، فتح القدير، المطبعة الكبرى الأميرية بولاق، مصر ١٣١٦هـ، ص: ٦/٤٦١

٧٣ـ زيدان، نظام القضاة،ص: ٣٧

٧٤ـ الماوردى، أدب القاضى، ص:٥٧

۷۵۔ ابن کثیر (أبو الفداء اسماعیل متوفی ۷۷۴ھ)، البدایة والنهایة، مکتبة المعارف بیروت، ۱۹۶۶ء، ص: ۱۸۰/۱۰

۷۶۔ الماوردی، ادب القاضی، ص: ۱۴۰/۱

۷۷۔ زیدان، م.ن، ص: ۷۵۔۷۷

۷۸۔ البخاری، م.ن، کتاب الجهاد، باب السمع والطاعة للإمام، حدیث نمبر ۲۷۹۶

۷۹۔ ابو الحسن عبد الله بن الحسن النباهی، تاریخ القضاة الاندلس، دار الکتاب المصری، ص: ۳

۸۰۔ الاحکام السلطانیه، ص: ۸۹

۸۱۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الاقضیة، باب کیف القضاء، حدیث نمبر ۳۵۸۲، ص: ۳۰۱/۳

۸۲۔ النساء:۵۸

۸۳۔ القصص:۲۶

۸۴۔ ابن تیمه (تقی الدین احمد بن شهاب الدین)، السیاسة الشرعیة فی إصلاح الراعی والرعیة، دار الکتاب العربی، ص:۱۹

۸۵۔ محمد المبارک، نظام الإسلام، الحکم والدولة، دارالفکر، بیروت ۱۹۸۴ء، ص:۹۵

۸۶۔ *الطبری اس قول کو حضرت عثمان سے منسوب کرتے ہیں جبکہ ابن الاثیر علی بن ابی طالب سے دیکھئے* الامم والملوک، دارالفکر للطباعة النشر والتوزیع ۱۹۷۹ء، ص:۱۸/۵، الکامل فی التاریخ، دار صادر، دار بیروت ۱۹۶۶ء، ص: ۵۶/۳

۸۷۔ الماوروی، تسهیل النظر وتعجیل الظفر فی اخلاق الملک وسیاسة الملک، تحقیق محی الدین هلال الرحان، مراجعة وتقدیم حسن الساعدی، دارالنهضة العربیة بیروت ۱۹۸۱ء، ص:۱۹۶.

۸۸۔ دیکھئے البقرة:۳۳، البقرة: ۱۲۴

۸۹۔ الترمذی، السنن، کتاب الأحکام، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، حدیث نمبر ۱۳۲۷، ابوداؤد، السنن، کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرأی فی القضاء، حدیث نمبر ۳۴۴۷، ص:۶۱۶، ص:۵/۲۱۲۔۲۱۳

۹۰۔ ابن قدامه، المغنی، ص: ۳۹/۹

۹۱۔ الکاسانی، م.ن، ص: ۳۸۳/۶، ابن قدامة، م.ن، ص: ۳۴/۹.

۹۲۔ حسینی (س.ا.ق) الإدارة العربیة، ترجمه ابراهیم احمد العدوی، ادارة الثقافة العامة بوزارة التربیة والتعلیم بمصر، ص: ۳۳۳.

۹۳۔ ابن قدامة ، م.ن، ص: ۹. ۳۹.

۹۴۔ البخاری، الصحیح، کتاب الأحکام، باب ما یکره من الحرص علی الامارة، حدیث نمبر ۶۷۳۰، ص: ۱۴۵۶/۲

۹۵۔ الطرطوشی (ابوبکر بن الولید بن محمد بن خلف) سراج الملوک، المطبعة الوطنیة الأسکندریة، سنة ۱۲۸۴ھ، ص: ۸۶.

۹۶۔ القطب محمد القطب طلبة، نظام الإدارة فی الإسلام (دراسة مقارنة للنظم المعاصرة) دارالفکر العربی، القاهرة، ص: ۱۲۱.

۹۷۔ محمد ضیاء الحق، سول انتظامیہ کا اسلامی تصور، الأضواء، مجلّہ شیخ زائد اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ جلد نمبر ۱۰، شمارہ نمبر ۱۳، جنوری ۲۰۰۰ء، ص: ۱۶۱

۹۸۔ ظافر القاسمی ، نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الإسلامی، دارالنفائس، بیروت، ۱۹۷۸ء، ص: ۱۸۷

۹۹۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۳۵۶/۲

۱۰۰۔ محمود احمد غازی، م.ن، ص: ۲۴۹

۱۰۱۔ ابن قدامه، م.ن، ص: ۴۳/۹

۱۰۲۔ السمنانی، روضة القضاة وطریق النجاه، ص: ۱۳۲

۱۰۳۔ المائده: ۱

۱۰۴۔ ابن قدامة، م.ن ، ص: ۱۰۳/۹ .

۱۰۵۔ عمار بوضیاف، م.ن، ص: ۱۴۴

۱۰۶۔ ابن قدامة، م.ن ، ص: ۱۰۳/۹ .

۱۰۷۔ طبقات السبکی بحواله آدم متز، الحضارة الإسلامیة، ص: ۴۰۰

۱۰۸۔ عمار بوضیاف، م.ن، ص: ۱۴۵

۱۰۹۔ الانبیاء: ۷

۱۱۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب، باب اجر الحاکم اذا اجتهد ، حدیث نمبر ۶۹۱۹، ص: ۲۶۷۶/۲

۱۱۱۔ ابن قدامة، المغنی، ۱۰۴/۹

۱۱۲۔ النساء: ۶۵

١١٣ـ ابن فرحون، تبصرة الاحكام فى أصول الأقضية ومناهج الأحكام، ص: ١/١/٣١،
ابن قدامه، م.ن، ص: ٩/٤٣، محموداحمد غازی م۔ن،ص:٢٥١۔

١١٤ـ الماوردى، م.ن، ص: ٢٣٧.٢٣٨

١١٥ـ ابن قدامه، المغنى، ص: ٩/٣٧

١١٦ـ ابن قدامه، م.ن،ص: ٩/٣٧

١١٧ـ ابن قدامه، م.ن، ص: ٩/٣١

١١٨ـ ابن قدامة، م.ن ، ص: ٩/٤٣ـ٤٤

١١٩ـ الكاسانى ،بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ص:٦/٨٢. ابن عابدين، رد المختار على الدّر المختار
ص:٤/٣٠٧۔ ابن قدامة، م.ن ، ص: ٩/١٠٣.